الایام الحسینیہؑ

تالیف
عالم ربانی شیخ جعفر شوستری

مترجم
علامہ محمد حسن جعفری

کتاب : الایام الحسینیہ

تالیف : عالم ربانی شیخ جعفر شوستری

مترجم : محمد حسن جعفری

پروف ریڈنگ : شیر محمد عابد مولائی

اشاعت : اگست 2018ء

تعداد : 1100

ہدیہ : .... روپے

ملنے کا پتا

تراب پبلیکیشنز لاہور

[redacted] 0345-8512972

ای-میل: molai512@gmail.com

www.facebook.com/turabpublishers

اَلسَّلَامُ عَلَى الْحُسَيْنِؑ
وَعَلٰى عَلِيِّؑ بْنَ الْحُسَيْنِؑ
وَعَلٰى اَوْلَادِ الْحُسَيْنِؑ
وَعَلٰى اَصْحَابِ الْحُسَيْنِؑ

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ

''اللہ کے بندوں میں سے اس کا خوف صرف علماء ہی رکھتے ہیں''۔

(سورۂ فاطر: آیت ۲۸)

اُصولِ کافی اور تفسیر نُورالثقلین میں مرقوم ہے کہ سلسلۂ ولایت کے چھٹے تاجدار آقا ومولا امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:
''عالم وہ ہے جس کا قول اُس کے فعل کی تصدیق کرے اور جس کے قول اور فعل میں تضاد ہو، وہ عالم نہیں ہے''۔

عرضِ ناشر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جامع احادیث الشیعہ اور مستدرک الوسائل میں مرقوم ہے کہ آقائے دو عالم، مولائے کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَیْنِ (علیہ السلام) حَرَارَۃً فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَبْرَدُ اَبَدًا ۝

''بے شک! شہادتِ حسین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے مومنوں کے دلوں میں ایک ایسی گرمی پیدا ہوگی، جو کبھی سرد ہونے والی نہیں ہوگی''۔

معزز قارئین!

بے شک! فرمانِ رسالتِ مآبؐ سچ ہے کہ صدیاں گزر گئیں مگر مولا حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب و اَولاد کی شہادت پر مومنین کے دلوں میں جو حرارت پیدا ہوئی، اُس میں روز بہ روز اضافہ ہوتا دکھائی دیتا ہے اور تا روزِ قیامت اضافہ ہوتا رہے گا، ان شاء اللہ! دیکھیے!

اِس کائنات میں ہزاروں لکھنے اور پڑھنے والے ثناء خوان اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ہیں۔ نہ جانے کتنے عالم و فاضل علماء و محدث اور مؤرخین آئے جنھوں نے مظلومِ کربلاؑ کی بے مثال قربانی پر اپنا اپنا نذرانہ

عقیدت پیش کرتے ہوئے دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف کوچ کیا مگر آئے روز شہادتِ حسینیؑ کو ایک نیا عروج ملا۔

نہ صرف یہ کہ صرف انسان بلکہ جنات وحیوانات اور نباتات و جمادات بلکہ عالمِ قُدس کی بھی ہر ایک شے نے نواسۂ رسولؐ کی بارگاہ میں اپنے اپنے انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

قارئین کرام!

مولا امام حسین علیہ السلام کی اس لازوال داستانِ شہادت اور حق پرستی پر لاکھوں کتب منظرعام پر آئیں جن میں آقا و مولا مظلومؑ کی مظلومیت، حق پرستی، شجاعت، صبر اور دیانت داری پر مفصل تحریریں شامل ہیں۔

ان صاحبانِ تحریر اور عقیدت مندوں میں اپنے وقت کے فقیہ اور علومِ آلِ محمدؐ کے بہترین عالم علّامہ آقای شیخ جعفر شوستری بھی شامل ہیں، جنھوں نے سیّدالشہداءؑ کی بارگاہ میں بطورِ عقیدت ایک کتاب ''الایام الحسینیہ'' تالیف کی جس میں آپ نے واقعاتِ کربلا کے ساتھ ساتھ مقصدِ شہادت کو بیان کرتے ہوئے عالمِ انسانیت کو غور و فکر کی بھی دعوت دی ہے کہ اگر آپ امام عالی مقامؑ سے سچی محبت رکھتے ہیں تو پھر ہم سب کو حسینی کردار اور یزیدی کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے زندگی گزارنا ہوگی اور نفسِ امارہ کی قید سے نجات پانا ہوگی۔

اے عاشقانِ امامؑ!

ادارہ کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ بزرگانِ دین کی تحریروں کو کتاب کی شکل دے کر عوام الناس کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ وہ ان بزرگوں کی خوبصورت اور حق پر مبنی تحریروں سے درس حاصل کر سکیں۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر ہم نے اس نایاب کتاب ''الایام الحسینیہ'' کا انتخاب کیا

جو کہ اشاعت کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد آج آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
اہلِ ایمان بھائیوں سے درخواست ہے کہ مطالعہ کے بعد اپنی قیمتی آرا سے نوازیں۔
مالکِ کونین بحقِ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

سائل کوچۂ شاہِ شہیداں!

علی ابوتراب خان نوانی

سربراہ ادارہ تراب پبلی کیشنز

شیخ جعفر شوستری کا تعارف

چند برس پہلے مجھے عالم ربانی شیخ جعفر شوستری کی شخصیت کا علم ہوا اور اس کی وجہ ان کی مشہور کتاب ''الخصائص الحسینیہ ؑ'' بنی۔ یہ کتاب پڑھ کر مجھے ان کے ایمان کی بلندی اور عرفان کی پرواز کا علم ہوا۔ میں اس کتاب کے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی عطیہ ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ان کے جذبہ حسینیت ؑ اور سچی ایمانی حرارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ کتاب اہل حق سے عقیدت پر مبنی ہے اور ان کی شخصیت کا بھرپور دفاع کرتی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ کربلا میں امام عالی مقام ؑ کے حضور کھڑا ہے۔

ایک عربی مکتبہ نے الخصائص الحسینیہ ؑ کو شایان شان طریقہ سے شائع کرایا ہے۔

شیخ جعفر شوستری اعلیٰ اللہ مقامہ کا تعلق ایران کے جنوب مغربی شہر ''شوستر'' سے ہے۔ شیخ مرحوم کی مادری زبان عربی تھی۔ عربی کی طرح سے انھیں فارسی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔

شیخ مرحوم کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد دل میں حسرت پیدا ہوئی کہ کاش واقعاتِ کربلا کے متعلق ان کی کوئی دوسری کتاب بھی مل جائے جس سے واقعات عاشورہ آنکھوں کے سامنے آ سکیں۔

دل میں یہی حسرت تھی کہ اللہ کرے ان کی کوئی اور کتاب میسر آ جائے جس سے روح کی بالیدگی کا سامان پیدا ہو سکے اور عقیدتوں کو معراج مل سکے اور دوسری کتاب بھی ''خصائص حسینیہ ؑ'' جیسی ہو۔

چنانچہ! اپنے شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں کئی مہینے ان کی دوسری کتاب کی تلاش میں سرگرداں رہا تاکہ ان کی کتاب کے ذریعہ سے اسرارِ کربلا سمجھنے میں مدد مل سکے۔

آخرکار ''جوئندہ یابندہ'' کے مصداق اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور 1412ھ کے ماہ صفر میں، مَیں کتابوں کی تلاش میں ایک غیر معروف کتب خانہ پر گیا۔ وہ کتب خانہ ایک گلی میں واقع تھا اور مشہور کتب خانوں کی طرح اس میں کوئی چمک دمک دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہاں مَیں نے سرسری نظروں سے کتابوں کو دیکھنا شروع کیا تو مجھے میرا گوہرِ مراد مل گیا اور یوں ''گودڑیوں میں لعل ہوتے ہیں'' کی ضرب المثل مجسم ہو کر میرے سامنے آئی۔

مَیں نے ایک کتاب کو دیکھا جس پر موٹے حروف میں ''مواعظ'' لکھا ہوا تھا اور اس کے نیچے باریک حروف میں ''مجالس الوعظ وللبکاء فی ایام عاشوراء'' لکھا ہوا تھا اور نیچے مؤلف کا نام شیخ جعفر شوستری لکھا ہوا تھا۔

پھر مَیں نے کتاب کی ورق گردانی شروع کی۔ یوں اس میں شیخ جعفر شوستری کی وہ مجالس لکھی ہوئی پائیں جو انھوں نے 1298ھ میں عراق میں پڑھی تھیں۔ جبکہ ان کے ایک شاگرد نے وہ مجالس جمع کر کے شائع کرائی تھیں۔ اس طرح سے میرا گوہرِ مقصود مجھے مل گیا۔

شیخ جعفر شوستری کے حالاتِ زندگی

بہت سے افراد اپنے گھروں اور وطن کو چھوڑ کر عراق آتے ہیں اور یہاں آ کر اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں۔ دین خداوندی کے یہ عُشّاق عراق میں پہنچ کر ہر طرح کی بھوک پیاس کی زحمات برداشت کرتے ہیں اور منابع و اصول کی مدد سے معرفتِ اسلامیہ کو حاصل کرتے ہیں۔ ایسے ہی ذہین افراد میں ایک جوان ''جعفر'' بھی تھے۔ وہ دین کی معرفت حاصل کرنے کے لیے عراق آئے جبکہ ان کا سینہ ایمان سے لبریز تھا اور ذہن میں معارفِ دین کی تڑپ موجزن تھی۔ ان کے سفر کا مقصد دینِ حق کے راستے کو علمی دلائل سے سمجھنا تھا۔

''جعفر'' جنہیں بعد میں ''شیخ جعفر'' کا نام دیا گیا ہے، ان کی پیدائش 1230ھ میں ان کے آبائی شہر ''شوستری'' میں ہوئی۔ اس شہر کو عربی زبان میں ''شتر'' کہا جاتا ہے۔ اس شہر میں شاہیر علماء نے آنکھیں کھولی ہیں اور اس شہر کا افتخار یہ ہے کہ شیخ مرتضیٰ انصاری کا تعلق بھی اسی شہر سے ہے۔

شیخ جعفر اپنے والد مرحوم شیخ حسین الواعظ کے ہمراہ عراق آئے۔ انھوں نے بغداد کے دریا کی پل کے قریب کاظمین شہر کے علمی مدرسہ میں داخلہ لیا۔ جبکہ اس زمانہ میں نجف اشرف کے حوزہ کے بعد کاظمین کے اس مدرسہ کو شہرت حاصل تھی۔

شیخ نے ایک دین دار اہل علم گھرانے میں جنم لیا تھا اور آپ کے خاندان میں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ قدیم الایام سے جاری تھا۔

آپ کے جد اعلیٰ کا نام نامی شیخ علی بن حسین نجّار تھا اور آپ اپنے زمانہ کے مشہور صالح اور انتہائی عبادت گزار انسان تھے۔

اللہ نے انھیں تین فرزند عطا فرمائے تھے اور تینوں کے تینوں ہی علمائے دین ہوئے۔

پہلے فرزند کا نام مُلاّ مقصود علی (المتوفی 1136ھ) تھا۔

ان کے دوسرے فرزند کا نام مُلاّ محمد (المتوفی 1141ھ) تھا۔ وہ اپنے دور میں حق گوئی میں اپنی مثال آپ تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں، جن میں ''مجمع التفاسیر'' کو شہرت حاصل ہوئی۔

مُلاّ محمد نجّار کے ایک بیٹے کا نام: ''احمد'' تھا اور وہ شوستر چھوڑ کر ''محلات'' چلے گئے تھے، اسی لیے ان کی اولاد ''محلاتی'' کہلاتی ہے۔

ان کے ایک اور بیٹے کا نام مُلاّ علی نجّار تھا۔ انھوں نے 1168ھ میں وفات پائی۔ ان کے چوتھے فرزند شیخ جعفر مرحوم کے والد تھے۔ وہ اپنے کردار اور سیرت میں یگانہ روزگار تصور کیے جاتے تھے۔ انھوں نے کچھ کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ان میں سورۂ یوسف کی تفسیر بھی شامل تھی۔

چنانچہ! ایسے ہی عالم و فاضل کے فرزند نے عراق کے شہر کاظمیہ میں تعلیمِ دین کا آغاز کیا۔ مبادیات کے بعد شیخ جعفر نے علمی اضافہ کے لیے نجف اشرف کا رُخ کیا۔ نجف اشرف کا علمی حوزہ مذہب اہل بیت کا قدیم ترین حوزہ ہے۔ اس کی بنیاد شیخ محمد بن حسن طوسی (المتوفی 460ھ) نے رکھی۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ جب بغداد میں فرقہ پرستی کو عروج حاصل ہوا تو متعصب افراد نے شیخ طوسی کے گھر اور ان کی لائبریری کو نذرِ آتش کر دیا۔

اس واقعہ سے دلبرداشتہ ہو کر شیخ طوسی نے بغداد کو چھوڑ دیا اور نجف اشرف میں امیرالمومنینؑ کے جوار میں گھر بنایا اور وہیں حوزہ علمیہ کی بنیاد رکھی۔ اللہ کی نصرت اور امیرالمومنینؑ کی برکت سے یہ حوزہ علمیہ آج بھی پوری آب و تاب سے چل رہا ہے اور

اس سے ہزاروں محقق، مفسر، محدث اور فقیہ علماء پیدا ہوئے ہیں۔ اس حوزہ نے ہی ہر دور میں افرادِ ملت کی رہنمائی کی ہے۔

چنانچہ! شیخ جعفر شوستری نے کاظمیہ اور نجف اشرف کے مشاہیر سے کسب فیض حاصل کیا۔ آپ کے شیوخ میں شیخ اسماعیل بن شیخ اسداللہ شوستری الکاظمی، مشہور فقیہ شیخ محمد حسن آلِ یاسین الکاظمی اور شیخ عبدالنبی الکاظمی جیسے علماء شامل ہیں جب کہ نجف اشرف میں بھی آپ نے جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا۔ ان میں شیخ انصاری اور فقہی انسائیکلوپیڈیا جواہرالکلام کے مؤلف شیخ محمد حسن نجفی، شیخ علی بن شیخ جعفر کاشف الغطاء، حسن کاشف الغطاء، شیخ راضی نجفی اور شیخ شریف العلماء مازندرانی جیسے علمائے دین شامل ہیں۔

پھر 1246ھ میں عراق میں وبا پھیلی تو شیخ جعفر نے کچھ عرصہ کے لیے عراق کو چھوڑ دیا اور اپنے وطن شوستر واپس آئے۔ جب وبا ختم ہوگئی تو آپ دوبارہ نجف اشرف آئے۔ بعدازاں علمی پیاس بجھانے کے بعد 1255ھ کو آپ شوستر واپس آئے۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس برس کی تھی اور اس عمر میں آپ اجتہاد کی ڈگری حاصل کر چکے تھے۔

اہل شوستر نے آپ کا بھرپور استقبال کیا۔ آپ نے وہاں فتاویٰ دینا شروع کیے اور لوگوں کی دینی ضروریات پوری کیں۔ پھر آپ نے ایک حسینیہ تعمیر کرایا جہاں آپ عوام الناس کو رشد و ہدایت کیا کرتے تھے اور نماز جماعت کے فرائض انجام دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ کو مواعظ کا مؤثر انداز عطا فرمایا تھا۔ آپ کے مواعظ دل کی گہرائی سے نکلتے اور لوگوں کے دلوں میں اتر جاتے تھے۔

شوستر میں آپ نے ''منہج الرشاد'' کے نام سے اپنا فقہی رسالہ بھی تالیف

کیا۔ اس رسالہ کی خوبی یہ تھی کہ اس میں اختصار سے اصول دین پر بھی بحث کی گئی تھی۔ آپ کے اس رسالہ کو ایران میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی اور شیخ ضیاء عراقی اور شیخ عبدالکریم حائری نے بھی اس رسالہ کی توثیق کی۔ آپ نے شوستر میں ایک طویل عرصہ تک قیام کیا، پھر آپ نے ناراض ہوکر شوستر کو خیر باد کہا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ناصرالدین قاچار کے گورنر حشمت الدولہ نے ایک شخص کی حق تلفی کی اور وہ شخص انصاف طلب کرنے کے لیے شیخ کے پاس ان کے قائم کردہ حسینیہ میں آیا۔ جب شوستر کے گورنر کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے مخالف نے شیخ جعفر شوستری کے حسینیہ میں پناہ لے رکھی ہے تو اس نے پولیس کو حکم دیا کہ مذکورہ شخص کو زبردستی حسینیہ سے کھینچ کر باہر لائیں۔ پولیس نے اس کے حکم کی تعمیل کی جس پر شیخ جعفر شوستری کو سخت غصہ آیا۔ آپ نے حسینیہ بند کرنے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی آپ نے شوستر شہر کو چھوڑ دیا۔ شوستر کے حاکم نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح سے شیخ کو راضی کیا جائے تاکہ وہ شوستر کو نہ چھوڑیں لیکن آپ نے کسی کی پرواہ نہ کی اور آپ نجف اشرف آ گئے۔ آپ کی نجف اشرف واپسی **1287** ھ یا **1291** ھ میں ہوئی۔

نجف اشرف پہنچ کر آپ نے وعظ و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور آپ کی شہرت دور دراز علاقوں تک پھیل گئی۔ چنانچہ آپ کے مواعظ میں اس وقت کے مشہور علماء شریک ہوتے تھے۔ پھر 1302ھ میں اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل آپ مولا امام علی رضا علیہ السلام کی زیارت کے قصد سے نجف اشرف سے ایران تشریف لائے۔ ماہ رمضان کی آمد آمد تھی، اسی لیے آپ کو مجبوراً تہران میں ٹھہرنا پڑا۔

اہلِ تہران کو آپ کی آمد کا علم ہوا تو انھوں نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ آپ نے ملا علی کنی کے ہاں اقامت اختیار کی اور مسجد ''مروی'' میں نماز پڑھانے لگے۔ اس وقت کے ایرانی شہنشاہ ناصرالدین قاچار کو جب آپ کی آمد کا علم ہوا تو

اس نے آپ کو پیغام بھیجا کہ ہم آپ کی زیارت کے مشتاق ہیں۔آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔

شیخ جعفر شوستری نے بڑی بے نیازی سے کہا کہ مجھے بادشاہ سے کوئی کام نہیں ہے۔ ایرانی بادشاہ نے آپ کی یہ بے نیازی دیکھی تو وہ خود آپ سے ملاقات کے لیے آئے۔ اس ملاقات میں آپ نے بادشاہ کو نصیحت کی کہ وہ مغرب پسندی چھوڑ دیں ورنہ اس کے بہت ہی برے اثرات مرتب ہوں گے۔

اس وقت تہران کی سب سے بڑی مسجد جسے ''مسجد سپہ سالار'' کہا جاتا ہے وہ تیار ہو چکی تھی۔ بادشاہ نے آپ سے درخواست کی کہ آپ آئیں اور اس مسجد میں نماز پڑھائیں۔ چنانچہ مسجد سپہ سالار میں جماعت کی ابتداء آپ نے ہی کی اور آپ نے وہاں دینی دروس کا سلسلہ شروع کیا تو لوگ جوق در جوق مسجد میں آنے لگے۔ شاہدین احوال کا بیان ہے کہ بیک وقت آپ کی اقتداء میں چالیس ہزار افراد نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد آپ درس دیتے تھے اور عوام الناس کو مغرب پسندی سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔

1302ھ کا ماہ شوال شروع ہوا تو آپ نے خراسان کا سفر شروع کیا اور مشہد مقدس پہنچ کر آپ بیمار ہو گئے لیکن بیماری کے باوجود آپ نے نماز جماعت کرائی اور نماز کے بعد وعظ و نصیحت کے فرائض انجام دیے تھے۔

مولا امام علی رضا علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد آپ نے تہران کے راستے عراق کا سفر کیا۔ جب آپ تہران پہنچے تو بادشاہ ایران نے آپ سے درخواست کی کہ آپ تہران میں مستقل قیام فرمائیں لیکن آپ نے جواب میں فرمایا:

''یہ میری زندگی کے آخری ایام ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس
خاکسار کا جسم مولائے کائناتؑ کے جوار میں دفن ہو''۔

بادشاہ نے آپ سے سفر مشہد کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے کہا:

''میں ذاتی طور پر چاہتا ہوں کہ مشہد کا سفر اس انداز سے کروں جس طرح عربی بدو نجف و کربلا کا سفر کرتے ہیں۔ وہ سینکڑوں میلوں کا سفر پیدل طے کر کے کربلا پہنچتے ہیں۔جبکہ میری بھی خواہش یہی ہے کہ مَیں بھی اسی طرح مشہد جاؤں لیکن میری بیماری مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی''۔

شیخ جعفر شوستری نے فرمایا: ایک دیہاتی عرب دور دراز سے پیدل سفر کر کے امیر المومنینؑ کے حرم مطہر میں آیا اور اس نے بڑی عقیدت سے عرض کیا:

''یا امیر المومنین !مَیں نے صحراؤں اور دریاؤں کا طویل سفر کیا ہے اور آپؑ کے پاس آیا ہوں۔ اس دنیا میں تو مَیں نے آپؑ کو تلاش کر لیا ہے البتہ یہ معلوم نہیں ہے کہ قیامت کے دن آپؑ کہاں ہوں گے اور میں وہاں آپؑ سے کیسے ملاقات کروں گا۔آپؑ سے میری بس اتنی سی درخواست ہے کہ جیسے مَیں نے دُنیا میں آپؑ کو تلاش کیا ہے قیامت کے دن آپؑ بھی اس گناہگار کو اسی طرح تلاش کرنا اور آخرت کے مصائب و آلام سے نجات دلانا''۔

تہران واپسی پر اعیانِ سلطنت کی طرف سے آپ کو بیش قیمت تحائف پیش کیے گئے لیکن آپ نے کسی کا بھی ہدیہ قبول نہ کیا۔

شاہِ ایران کی بہن نے آپ کی خدمت میں قیمتی قالین اور سجدہ گاہ بھیجی نیز اس کے ساتھ سونے کے چند پیالے بھی بھیجے لیکن آپ نے سجدہ گاہ رکھ لی اور باقی تحائف واپس کر دیئے۔

تہران واپسی پر اگرچہ آپ بیمار تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے وعظ و نصیحت کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ آپ نے یہ خطابات محرم کے پہلے اور دوسرے عشرے میں

بیان فرمائے تھے۔آپ نے اپنے خطابات میں کربلا کے دردناک واقعات بیان کیے اوراسرارِ کربلا کی وضاحت فرمائی۔

بعدازاں شدید کمزوری اور بیماری کے باوجود آپ نے نجف اشرف کا سفر اختیار کیا اوراربعین حسینیؑ کے دن 1303ھ میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ کی وفات اٹھائیس صفر کو ملک ایران کے جنوبی شہر ''کرند'' میں ہوئی اورموت کے وقت زبان پر ذکرِ خداوندی جاری تھا۔آپ نے تہتر برس کی عمر میں وفات پائی۔

آپ کی وفات کے چند گھنٹے بعد جیسے ہی سورج غروب ہوا تو ایک آسمانی واقعہ پیش آیا، جس سے ایران اورعراق کے عوام کے دل دہل کر رہ گئے۔

آسمان سے ستارے ٹوٹنے لگے اور پورے تیس منٹ تک شہاب ثاقب کی بارش ہوتی رہی۔لوگوں کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ کہیں یہ شہاب ان کے گھروں پر آ کر نہ گریں۔

آپ کی وفات سے علمی دنیا میں صفِ ماتم بچھ گئی اور معروف علماء وشعراء نے آپ کی مرثیہ خوانی کی۔

سید جعفر حلّی نے تناثرالنجوم کے واقعہ کو یوں بیان کیا تھا:

اوما رأیت الشھب... کیف تہافتت

والارض افزع اھلھا زلزالھا؟!

فکانما الخضراء تزلزل قطبھا

وکانما الغبراء تسفن جیالھا

''کیا تُو نے شہابیوں کو گرتے ہوئے نہیں دیکھا۔زمین پر زلزلہ آ گیا اوراہلِ زمین ڈر گئے یوں لگتا تھا کہ آسمان کا قطب متزلزل

ہو چکا ہے اور زمین کے پہاڑ اپنے مقام سے ہٹ گئے ہیں“۔

شیخ کے جسد خاکی کو نجف اشرف لایا گیا، جہاں علماء اور عوام نے آپ کے جنازہ کی مشایعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کو امیرالمومنینؑ کے حرم مطہر ”تکیہ بکتاشیہ“ کے پاس پہلے حجرہ میں دائیں طرف دفن کیا گیا۔

شیخ کی شخصیت کے مختلف پہلو

شیخ جعفر شوستری (رضوان اللہ تعالیٰ علیہ) کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے متعدد پہلو جمع کیے تھے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے مدرس تھے۔ بہت سے طلاب نے آپ سے کسب فیض کیا تھا۔ آپ کے تلامذہ میں میرزا محمد ہمدانی، سید عبدالصمد الجزائری، شیخ علی بن شیخ رضا کاشف الغطاء، میرزا ابراہیم اور ملا احمد شامل تھے۔ یہ دونوں حضرات مُلّا محمد علی محلّاتی کے فرزند تھے۔

آپ اپنے دور کے مشہور مصلح تھے اور آپ عظیم الشان واعظ و خطیب تھے۔ آپ پورے مجمع پر چھا جاتے تھے۔ آپ دین میں نہایت مضبوط شخص تھے اور شعائر دینی کی تعظیم میں اپنی مثال آپ تھے۔

آپ نے بہت سے علماء و متعلمین کی تربیت کی تھی۔ آپ بہترین مؤلف اور مصنف تھے۔ آپ کی تالیفات آپ کے علم کی گہرائی کو واضح کرتی ہیں۔

الغرض تمام تر اوصاف کے باوجود آپ اول و آخر حسینیؑ تھے۔ آپ کے عقل، قلب اور ضمیر پر کربلا کا واقعہ مسلط تھا۔

شیخ جعفر شوستری کی زندگی پر اگر تفصیلی گفتگو کی جائے تو اس کے لیے ایک پوری کتاب کی ضرورت ہے جب کہ یہاں پر صرف چند پہلو نقل کیے جاتے ہیں۔

مردِ فقیہ

شیخ جعفر شوستری نے میرزا محمد ہمدانی کے اجازہ میں یہ لکھا:

''میں انھیں وصیت کرتا ہوں۔ (اللہ اس کی توفیق میں اضافہ فرمائے) کہ وہ ہمیشہ احتیاط کے راستے کو اپنائیں اور کبھی بھی فتویٰ جاری کرنے میں جلدبازی نہ کریں کیونکہ معاملہ انتہائی مشکل اور سنگین ہے۔ فتویٰ سے قبل مکمل جستجو اور تحقیق کریں اور قواعد و عمومات کو مدنظر رکھ کر یہ فیصلہ کریں کہ ان کا فتویٰ خدائی ذمہ داریوں کو پورا کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے اشرف ترین ہستی کے متعلق فرمایا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ (الحاقہ: ۴۴ تا ۴۶)

''اگر ہمارا رسولؐ ہم پر اپنی طرف سے کچھ باتیں بنانے لگتے تو ہم اس کے داہنے ہاتھ کو پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ دیں گے''۔ [۱]

تو ان کا جواب ہمیں ان کی کتاب ''کشف المحجہ'' صفحہ 109 پر دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے اپنے فرزند کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میرے شیوخ کی خواہش تھی کہ مَیں بھی باقی علماء کی طرح سے مسند افتا پر بیٹھ کر

---

[۱] موصوف کا یہ موقف جمال السالکین سید علی بن طاؤسؒ کے موقف کا آئینہ دار ہے۔ سید ابن طاؤس فتویٰ سے بہت زیادہ پرہیز کرتے تھے جبکہ انھوں نے باقی علوم اسلامیہ میں کئی تالیف کی تھیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے فقہ کی کوئی کتاب کیوں نہیں لکھی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ''میں تو یہ کہتا ہوں کہ جب تک تمام ابواب فقہ کا مطالعہ نہ کر لیا جائے تب تک عمومات و قواعد پر انحصار نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ میرے استاد محترم جناب ''جواہر الکلام'' نے مجھ سے یہ فرمایا تھا: پیارے فرزند! طہارت اور نماز کے کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو مجھے حدود و دیات کے ابواب میں دکھائی دیئے تھے۔
وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (الفاطر: آیت ۱۴) 'خبر رکھنے والے کے مانند تجھے اور کوئی خبر نہیں دے گا''۔

فتاویٰ جاری کروں۔ تو مَیں نے قرآن حکیم میں یہ پڑھا کہ اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ ﴿۴۷﴾ (الحاقہ: ۴۴ تا ۴۷)

''اگر ہمارا رسولؐ ہم پر اپنی طرف سے کچھ باتیں بنانے لگتے تو ہم اِن کے داہنے ہاتھ کو پکڑ کر اِس کی رگِ گردن کاٹ دیتے تو تم میں سے کوئی مجھے ان سے روک نہ سکتا''۔

اس آیت سے مجھے معلوم ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیبؐ کو یہ اجازت نہیں دی تھی کہ وہ اپنی طرف سے کچھ کہیں تو میں میدان فتویٰ میں قدم رکھنے سے ڈر گیا کہ کہیں میں اپنی طرف سے کسی جملہ کا اضافہ نہ کر بیٹھوں......

عظیم واعظ

حاج ملا علی خیابانی لکھتے ہیں:

''میرے استاد معظم حاج میرزا اسد اللہ مجتہد تبریزی نے بیان کیا کہ شیخ جعفر شوستری کے مواعظ میں اللہ تعالیٰ نے بڑا اثر رکھا تھا۔ آپ کے مواعظ میں عوام الناس کے علاوہ علماء و مجتہدین تک موجود ہوتے تھے۔ جب آپ وعظ کرتے تو سامعین کے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہو جاتی تھیں اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ مجلس وعظ کی بجائے امام مظلوم کی مجلس عزاء میں بیٹھے ہوئے ہوں''۔

ایک مرتبہ مجلس وعظ میں انھوں نے سورۂ یٰسین کی یہ آیت تلاوت کی:

وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ (آیت ۵۹)

''جرم کرنے والو! آج تم جدا ہو جاؤ''۔

شیخ نے اس آیت کو اتنے پر درد لہجہ میں پڑھا کہ سننے والوں کی چیخیں بلند ہو گئیں۔

شیخ مرحوم کے پوتے شیخ محمد تقی شوستری فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد شیخ محمد کاظم بن محمد علی بن جعفر شوستری سے سنا:

''کاظمیہ، کربلا اور نجف اشرف میں جب شیخ نے خطاب کرنا ہوتا تھا تو خلافتِ عثمانیہ کے بڑے بڑے عہدیداران مجالس میں شریک ہوتے تھے اور جب شیخ قرآن کریم کی آیات تلاوت کرتے تھے تو وہ گریہ و بُکا میں مصروف ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں یوں لگتا ہے کہ ہم نے یہ آیات پہلے کبھی سنی نہیں تھیں اور یہ آیات جبریل امینؑ ابھی لائے ہیں۔

میرے والد کا بیان ہے کہ مجھ سے علاؤ الدولہ قاچاری نے بیان کیا کہ مَیں نے شیخ کی وہ مجالس سنیں جو انھوں نے زندگی کے آخری ایام میں پڑھی تھیں تو مَیں نے دیکھا کہ دوران مجلس ان کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب رواں تھا''۔

متقی انسان

شیخ مرحوم کے ایک عالم دین پوتے سے یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ جب شیخ مشہد مقدس کا سفر طے کر رہے تھے اور پروگرام کے مطابق انھوں نے راستے میں ایک دولت مند شخص کے ہاں دوپہر کا کھانا کھانا تھا تو میزبان سے کسی نے کہا کہ آپ کے پاس وہ ہستی آنے والی ہے جس نے اپنی پوری زندگی میں کبھی حرام کا لقمہ نہیں

کھایا۔ میزبان کو اِس بات پر سخت تعجب لاحق ہوا اور کہنے لگا کہ اچھا آج ہم اس کا تجربہ کریں گے۔

چنانچہ اس نے اپنے نوکر سے کہا کہ تم جاؤ اور کسی کی بکری چوری کر کے لاؤ اور اسے ذبح کر کے شیخ جی کے لیے کھانا تیار کرو۔

چنانچہ! نوکر نے حکم کی تعمیل کی اور بکری چوری کر کے لایا اور اسے ذبح کر کے کھانا پکانے لگ گیا۔ ابھی کھانا دسترخوان پر نہیں لگا تھا کہ بکری کا مالک چیختا چلاتا ہوا وہاں آیا اور کہا کہ ''اللہ تمھیں ہدایت دے!'' تم نے میری بکری چوری کی ہے اور یہ خون کے داغ بتاتے ہیں کہ تم نے ذبح کردی ہے۔

مَیں نے یہ بکری اس لیے پالی تھی کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ شیخ جعفر شوستری کا یہاں سے گزر ہونا ہے اور مَیں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ شیخ کو کھانے کی دعوت دوں گا اور یہ بکری ذبح کروں گا۔

جب نوکر نے یہ بتایا کہ شیخ آج ہمارے ہاں مہمان ہیں تو بکری کے مالک نے کہا کہ اچھا اب میں راضی ہوں۔ میری طرف سے ان کی یہ مہمانی ہوگئی۔

میرزا قائم مقام فراہانی لکھتے ہیں:

''شیخ جعفر شوستری کے مواعظ میں اللہ نے بڑی تاثیر رکھی تھی۔ آپ کی مجلس میں شرکت سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ انسان تاریکی سے نکل کر روشنی میں آچکا ہے۔

تہران اور خراسان کے مومنین کی طرف سے آپ کی خدمت میں تیس ہزار تومان سہم امامؑ کے پیش کیے گئے۔

(واضح رہے کہ یہ اس زمانہ میں بہت بڑی رقم تھی) تو آپ نے ساری رقم واپس کردی اور اس میں سے ایک پائی تک نہ اٹھائی۔

مردِمؤلّف

آپ نے کچھ کتابیں بھی تالیف کی تھیں جن میں سے کچھ کتابیں یہ ہیں۔

......منہج الرشاد:

یہ آپ کا فقہ میں رسالہ عملیہ ہے اور اس کا عربی زبان میں بھی ترجمہ کیا جا چکا ہے۔

......رسالہ فی اصول الدین:

یہ آپ کے رسالہ عملیہ کا مقدمہ ہے۔

......روضات الجنات فی القرآن الکریم:

اس کی متعدد جلدیں ہیں۔

......الخصائص الحسینیہؑ:

آپ نے یہ کتاب عربی زبان میں لکھی۔ میرزا محمد ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ شیخ مرحوم نے مرثیہ جات کے عنوان سے بھی ایک کتاب لکھی اور اس کا نام بھی انھوں نے ''الخصائص الحسینیہؑ'' رکھا۔ خصائص الحسینیہؑ کا انداز اور اسلوب دوسری کتابوں سے منفرد ہے۔ جبکہ فارسی زبان میں اس کے اچھے تراجم منظر عام پر آ چکے ہیں۔

......فوائد المشاہد:

اس کتاب میں آپ کی 59 تقاریر ہیں اور یہ وہ مواعظ ہیں جو آپ نے زندگی کے آخری ایام میں کربلا، نجف اشرف اور کاظمین میں بیان کیے تھے۔

......کتاب فی مجالس الوعظ:

اور وہ یہی کتاب ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس

مقدمہ میں اس کتاب پر گفتگو کی جائے گی۔

مردِ حسینیؑ (حسینؑ کا پروانہ)

آپ کی پوری زندگی ذکرِ حسینؑ میں گزری اور ذکرِ حسینؑ ہی آپ کی سوچوں کا محور تھا۔ عنفوانِ شباب سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک آپ نے مظلومِؑ کربلا کی مظلومیت کو بیان کیا۔ اس کا باقاعدہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب آپ حوزہ نجف اشرف سے اپنے شہر "شوستر" تشریف لائے۔ آپ اپنے حسینیہ میں روزانہ زیب منبر ہوتے اور قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کر کے ان کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے تھے اور احادیث معصومین علیہم السلام سنا کر سامعین کے ایقان و ایمان میں اضافہ فرماتے اور اپنی مجلس کا اختتام سیّد الشہداءؑ کے مصائب پر کیا کرتے تھے۔

یہ آپ کی خطابت کے ابتدائی ایام تھے اور ابھی آپ فی البدیہہ تقریر کے قابل نہیں تھے۔ اسی لیے کتب تفسیر و حدیث کو سامنے رکھ کر ہی درس دیتے تھے اور مصائب سیّد الشہداءؑ کے لیے واعظ کاشفی کی کتاب روضۃ الشہداءؑ سے استفادہ کرتے تھے۔

ایام عزاء اور ماہ رمضان میں آپ کو خاص دِقّت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان کے اچھے خطیب ہونے کی داستان کو محدث میرزا حسین نوری نے اپنی کتاب دارالسلام میں خود ان کی زبانی یوں بیان کیا ہے:

> "جب مَیں نے نجف اشرف کے حوزہ علمیہ سے علوم کی تکمیل کی اور اپنے وطن شوستر واپس آیا تو میں روزانہ منبر پر بیٹھ کر درس دیتا تھا۔ میں تفسیر صافی سے قرآن کریم کا درس دیتا تھا اور ملا حسین واعظ کاشفی کی کتاب روضۃ الشہداء سے مصائبِ آلِ محمدؐ پڑھ کر حاضرین کو سنایا کرتا تھا۔

ماہِ محرم قریب آیا تو مَیں نے دل میں سوچا کہ میں کب تک کتاب کھول کر دینی مطالب اور حسینیؑ مصائب پڑھتا رہوں گا اور میں کب فی البدیہہ خطاب کروں گا؟۔ مَیں نے اس مسئلہ پر جتنا بھی سوچا تو میرے ذہن میں کوئی ترکیب نہ آئی۔ آخرکار میں اچھا خطیب بننے سے مایوس ہو گیا۔ پھر اچانک اللہ کا فضل ہوا اور سیّدالشہداءؑ کی عنایت شاملِ حال ہوئی۔ میں ایک رات سویا تو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ میں کربلا میں موجود ہوں جہاں امام حسین علیہ السلام کے خیام لگے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے یزیدی فوج کے بھی خیمے لگے ہوئے ہیں۔

میں حضرت سیّدالشہداءؑ کے خیمہ میں داخل ہوا اور مَیں نے سلام کیا۔ آپؑ نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور آپؑ نے حبیب بن مظاہرؓ سے فرمایا:

''یہ شخص (میری طرف اشارہ کر کے) ہمارا مہمان ہے۔ اس وقت ہمارے پاس پانی موجود نہیں ہے لیکن اس وقت ہمارے پاس آٹا اور گھی موجود ہے۔ تم اٹھو اور اس کا کھانا تیار کر کے مہمان کے سامنے پیش کرو''۔

حضرت حبیب اٹھے اور انھوں نے حکم امام کی تعمیل کی اور روٹی پکا کر میرے سامنے رکھی۔ روٹی کے ساتھ چمچ بھی موجود تھا۔ مَیں نے اس روٹی سے چند لقمے کھائے...... پھر میری آنکھ کُھل گئی۔ اس خواب کے بعد مجھ پر دقائق و لطائف اور مصائب کے ایسے نکات کھل گئے جو کہ پہلے کسی پر نہیں کھلے تھے''۔ پھر جب ماہ

رمضان شروع ہوا تو میں مکمل خطیب بن چکا تھا۔

حضرت سیّد الشہداءؑ کے متعلق شیخ پر جن نکات کا اِلقا ہوا آپ نے انھیں خصائص حسینیہؑ کے نام سے جمع کیا اور یوں ''الخصائص الحسینیہؑ'' نامی کتاب منظرِعام پر آئی۔

یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد کتاب ہے۔ شیخ مرحوم جہاں کہیں وعظ و نصیحت فرماتے تو آخر میں حضرت سیّد الشہداءؑ کا تذکرہ ضرور کرتے تھے۔ خواہ اشارہ کے رنگ میں ہو یا تفصیلی رنگ میں ہو۔

جب آپ وعظ کرتے تو آپ کے کچھ شاگرد منبر کے پاس بیٹھ کر آپ کے مواعظ کو لکھا کرتے تھے۔ ان مسودات سے دو کتابیں مرتب ہوئیں۔ ان میں سے ایک بڑی کتاب ہے اور اس کا نام ''فوائد المشاہد'' ہے اور دوسری کتاب چھوٹی ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

کتاب ہٰذا کا تعارف

اس کتاب میں اختصار کو مدنظر رکھا گیا ہے اور اس اختصار کے باوجود اس میں ایسے اشارات موجود ہیں جو اسے باقی کتابوں سے ممتاز کرتے ہیں کیونکہ:

کتاب ہٰذا کے مضامین مجالس منبر کی طرح سے ایک فقیہ اور کربلا کی تاریخ کو جاننے والے عالم کی زبان سے ادا ہوئے ہیں۔ اس میں روایات کی پختگی اور وثاقت کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے اور اس میں ایسی روایات ہیں جو کہ بُکا و گریہ کے لیے ممدومعاون ہیں۔

اس کتاب کے خطبات ایک ماہر خطیب کے بیان کردہ ہیں جو کہ انسانی جذبات اور تخیلات سے بخوبی آگاہ ہے۔ ان کے خطبات میں اتنا اثر ہے کہ انسان یہ خواہش کرنے لگتا ہے کہ وہ بھی سیّد الشہداءؑ کے نقش قدم کی پیروی کرے اور اپنے لیے

نجات کا سامان حاصل کرے۔

آپ کے بیان کردہ مصائب میں ایک روحانی گہرائی پائی جاتی ہے۔ آپ مصائب کربلا کے ذریعہ سے سامعین کے اندر باطنی صفائی اور روحی تہذیب کو پیدا کرنے کے خواہش مند دکھائی دیتے ہیں۔

آپ کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامعین میں علماء، خطباء اور علوم دینیہ کے طُلاب موجود ہوتے تھے۔ اس لیے آپ اشارہ کو ہی کافی سمجھتے تھے۔ تفصیلی واقعات سے گریز کرتے تھے کیونکہ آپ جانتے تھے سامعین ان واقعات کی تفصیلات سے پہلے ہی آگاہ ہیں۔ اسی لیے آپ اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ ''مصادر کی طرف رجوع فرمائیں''۔

آپ واقعات میں درد پیدا کرنے کے فن سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس کے لیے کتاب ہٰذا کی ساتویں مجلس کو ملاحظہ فرمائیں جس میں انھوں نے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت قاسم علیہ السلام کی شادی کا موازنہ کیا ہے۔

آپ کا انداز بیان ایسا ہے کہ واقعہ تصویری رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے مواقع پر آپ فن کی بلندیوں پر دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

اس وقت اگرچہ فضاء قتل حسینؑ کی وجہ سے تاریک ہو چکی تھی لیکن اس تاریکی میں آپ کو چار چیزیں بخوبی دکھائی دیں گی کیونکہ وہ چیزیں نورانی ہیں۔ ان میں سے دو چیزیں آسمان کی طرف جاتی ہوئی دکھائی دیں گی اور دو چیزیں آسمان سے زمین پر اترتی ہوئی دکھائی دیں گی۔

جب آپ غور سے آسمان کی طرف دیکھیں گے تو آپ کو ایک نور دکھائی دے گا اور جب آپ گہری نظر سے دیکھیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ جبریل امین آسمان سے اتر رہے ہیں اور وہ اللہ کا ایک مخصوص پیغام امام حسین علیہ السلام کو پہنچانا چاہتے ہیں۔

پھر جب آپ دوبارہ دیکھیں گے تو آپ کو رسولِ اکرمؐ آسمان سے اترتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ آپؐ کا عمامہ اترا ہوا ہے اور سر مبارکؐ اور ریش اطہرؐ پر خاک ہے۔

اب زمین سے آسمان کی جانب جانے والی دو اشیاء پر نظر کریں تو پہلی نظر میں آپ دیکھیں گے کہ ایک فرشتہ ایک شیشی اٹھا کر آسمان کی جانب پرواز کر رہا ہے۔ وہ شیشی زمرد کی ہے اور اس میں ایک چیز ہے۔ جب آپ پوری توجہ سے شیشی کو دیکھیں گے تو اس میں آپ کو ایک چیز دکھائی دے گی پھر جب آپ اس چیز کو پوری توجہ سے دیکھیں گے تو وہ چیز حسینؑ کا خونِ ناحق ہے، جسے فرشتہ شیشی میں بند کر کے آسمان کی طرف لے جا رہا ہے۔

اس کے بعد آپ پھر نظر دوڑائیں گے تو آپ کو ایک نورانی چیز دکھائی دے گی لیکن یہ زمین سے زیادہ بلندی پر نہیں ہے۔ اسے غور سے دیکھیں۔ یہ مولا حسینؑ کا سرِ اَقدس ہے جو کہ نوک نیزہ پر سوار ہے''۔

اس کتاب کی مجالس کے مطالعہ سے انسان یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ تیرہویں صدی میں مجالس کا رنگ ڈھنگ کیا تھا۔

اگر کوئی محقق مجالس حسینیؑ کے انداز کو تلاش کرنا چاہے تو یہ کتاب اس کے لیے انتہائی مفید ثابت ہو سکتی ہے اور یوں ''منبر حسینیؑ کی تاریخ'' مرتب کرنے میں آسانی ہو سکتی ہے۔

شیخ مرحوم اپنی ہر مجلس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور رسولِ اکرمؐ پر درود سے کیا کرتے تھے۔ آپ کی مجالس کے کلمات کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ عقیدۂ توحید کے بلند تر اُفق پر فائز تھے، جس کے لیے کتاب ہٰذا اور ''فوائد المشاہد'' کے خطبات ہی کافی ہیں۔

عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اشعار کے بغیر مصائب میں رنگینی اور چاشنی

پیدا نہیں ہوتی جیسا کہ عصرِ حاضر کے خطیب ہمیشہ اَشعار کی مدد سے مصائب میں رنگ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن شیخ مرحوم اپنی مجالس میں رنگ مصائب پیدا کرنے کے لیے اشعار کا سہارا نہیں لیتے تھے۔ وہ جو بھی مصائب پڑھتے، وہ ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلتا تھا اور سیدھا سامعین کے دلوں میں اُتر جاتا تھا۔

شیخ جعفر شوستری مسلمانوں کی موجودہ حالت دیکھ کر کڑھا کرتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ مسلمان توبہ کر کے اللہ کی بارگاہ میں جھک جائیں اور مغرب کی اندھی تقلید سے پرہیز کریں۔ اسی لیے ان کی تقاریر میں کچھ تند و تیز جملے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

شیخ دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کے بڑے شہروں میں مغربی ثقافت ترقی کر رہی ہے اور مسلم نوجوان اہلِ یورپ کی تقلید کر رہے ہیں۔ اسی لیے وہ جوانوں کو بچانے کے لیے بھرپور کوششیں کیا کرتے تھے۔

قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس کتاب کو سرسری نظر سے نہ پڑھیں بلکہ معانی کے صحیح ادراک کے لیے دل کے ساتھ جذبات اور تخیل کے ساتھ تصویر کو شامل کریں تو اس طرح سے کتاب کا صحیح مطالعہ ہو سکے گا۔

آخر میں چند باتوں کا واضح کرنا ضروری ہے۔

1. ہم نے کتاب کا نام تبدیل کیا ہے کیونکہ اس کا پرانا نام ''المواعظ'' تھا۔ یہ نام کتاب کے مضامین پر دلالت نہیں کرتا تھا۔ ویسے بھی یہ نام شوستری مرحوم نے نہیں رکھا تھا۔ اس کتاب میں ''ایام حسینیہؑ'' پر گفتگو کی گئی ہے لہٰذا ہم نے اس کا نام ''الایام الاحسینیہؑ'' رکھا ہے۔
2. بعض مقامات پر ہم نے اپنی طرف سے چند الفاظ کا اضافہ کیا ہے جسے ہم نے بریکٹ کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے۔
3. بعض مقامات پر ہم نے حاشیے لگائے ہیں لیکن ان حواشی کو صفحہ کے آخری

حصّہ میں لکھا ہے اور اس ذریعہ سے ہم نے مبہم اُمور کی وضاحت کی ہے۔

ہم نے طویل حواشی سے پرہیز کیا ہے کیونکہ یہ کتاب مجالس کی کتاب ہے تحقیقی کتاب نہیں ہے۔

تمہید کے منابع

1۔اعیان الشیعہ : السید محسن الامین العالمی

2۔ تذکرہ شوستر: السید عبداللہ جزائری

3۔ تکملہ آمل ال آمل: السید حسن الصدر

4۔علمائے معاصرین: ملاعلی خیابانی تبریزی

5۔غیمۃ السعر : میرزا محمد ہمدانی

6۔آ قائے بزرگ تہرانی ''ذریعہ'' میں لکھتے ہیں کہ شیخ جعفر شوستری کی کتاب ''خصائص حسینیہ'' اپنے موضوع کے اعتبار سے بالکل اُچھوتی کتاب ہے، اس سے قبل اس انداز میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

پہلی مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللهم انی امجدك ولاغاية لمجدك ولااحصی ثناءً
عليك انت كما اثنيت علی نفسك توحدت بالعظمة
والعلاء وتفردت بالجود والكبرياء تاهت فی كبرياء
هيبتك دقائق الادهام وانحسرت دون النظر اليك
خطائف العباد الانام نحمدك علی جزيل الانعام
وشكرك علی جميل الاكرام
ونصلی ونسلم علی نبيك نبی الرحمة وامام الآئمة
المنتجب من طينة الكرم و سلالة المجدالاقدم
وعلی اهل بيته ينابيع الحكم وعصم الامم والسادة
الاتقياء والقادة الاصفياء
مادام الخضراء علی الغبراء واستنارت الغبراء من
الخضراء اما بعد...

ہمیں اپنی حالت کا جائزہ لینا چاہیے۔

حاضرینِ محترم!

آپ سب حضرات یہاں تشریف فرما ہیں۔ ہم سب کو اپنی حالت کا جائزہ لینا چاہیے۔ اگر آج کے دن آپ کا دل نرم ہے اور کسی سے کچھ سنے بغیر آپ پر گریہ طاری ہے تو پھر آپ کو مبارک ہو کیونکہ یہ ایمان کا رشتہ ہے۔

میرے بھائیو!

آئیں اور پوری سچائی کے ساتھ ایک دوسرے سے بات کریں۔ جس دن سے ہم بالغ ہوئے ہیں اسی دن سے ہم اللہ کی توحید، نبی اکرمؐ کی نبوت اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی امامت پر ایمان رکھتے ہیں، یہ سب لفظی اور زبانی ایمان ہے۔ اس عقیدہ کی حقیقت کا جلوہ ہمارے اندر موجود نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایسا عقیدہ ہے جس میں حقیقت کا کوئی عنصر دکھائی نہیں دیتا اور یہ بالکل سیدھی سی بات ہے کہ جس جسم میں روح نہ ہو وہ جسم بیکار ہے اور اگر صرف چھلکا ہی چھلکا ہو اور اندر مغز نہ ہو تو وہ چھلکا بیکار ہے۔ اسی طرح سے باطن کے بغیر ظاہر بیکار ہے۔ جی ہاں! حقیقت شاذ و نادر ہی حاصل ہوتی ہے اور حصول حقیقت کی علامت یہ دُکھ اور غم ہے اور اگر یہ غم موجود ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ابدان میں ولایت کا پانی شامل ہے اور ہم اس حدیث کے مصداق ہیں:

''ہمارے شیعوں کی تخلیق ہماری بچی ہوئی طینت سے ہوئی ہے
اور ان کے اجسام کو ہماری ولایت کے پانی سے گوندھا گیا ہے''۔

اَب اگر آپ کا دل آئمہؑ کے راستے پر چل پڑا ہے تو یہ آپ کے ہدایت یافتہ ہونے کی دلیل ہے۔

یاد رکھیں! آج ان کے ایام غم میں سے پہلا دن ہے۔ جو عبارات مَیں نے عرض کی ہیں ان کا تعلق اشارہ اور تنبیہ کے باب سے ہے۔ آیئے! اب ہم اصل موضوع پر آتے ہیں۔

یہ ایام مصیبت بھرے ایام ہیں۔ صرف ایک مصیبت نہیں ہے بلکہ بہت سے مصائب ہیں۔ ان میں سے ایک مصیبت اسلام کی مصیبت ہے۔ اسلام ان ایام میں غریب و مسافر ہو چکا ہے۔ آج اسلام کمزور ہو چکا ہے اور منکرین اسلام کا غلبہ ہو چکا

ہے اور کفر کے متفرق فرقے اسلام پر غالب آ رہے ہیں۔ آج اہل مغرب کی ثقافت اسلامی ثقافت پر غالب دکھائی دیتی ہے اور لوگ ان کے افکار اور خیالات کی طرف مائل ہیں اور اسلام لوگوں میں ضعیف ہو چکا ہے۔ مغرب کے افکار اور خیالات خیر و برکت کا ذریعہ نہیں ہیں۔ جب سے یہ نظریات رائج ہوئے ہیں اس وقت سے مسلمان مغلوب اور مقہور ہو گئے ہیں۔

حاضرینِ محترم!

مَیں نے سنا ہے کہ آج سے 80 برس قبل ایک شخص رہتا تھا جو کہ آنکھوں سے نابینا تھا اور اس نے اہل مغرب کے دلائل کو چیلنج کیا تھا۔ اہل مغرب اس کے دلائل کا جواب دینے سے قاصر تھے۔

اہلِ ایران نے اس سے درخواست کی کہ آپ یہ اصول و قواعد ہمیں بھی سمجھائیں۔ اس نے کہا تھا کہ تمھارے اندر مجھے اس کا ذوق شوق دکھائی نہیں دیتا لیکن یاد رکھو! اگر تم نے اہل مغرب سے اپنے جوانوں کا دفاع نہ کیا تو تمھاری تلواریں کُند ہو جائیں گی اور تمھارے اندر کوئی بھی مرد میدان باقی نہیں رہے گا۔

جی ہاں!......کل کلاں ہمارے دین کا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔

ایک اور مصیبت ہمارے ہاں دین داری میں پائی جاتی ہے۔ اسی لیے احادیث میں یہ دُعا تلقین کی گئی ہے:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا

"اے اللہ! ہمارے دین میں مصیبت نہ بنانا"۔

معزز سامعین!

اب اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو ہمیں ازخود معلوم ہو جائے گا کہ ہمیں اس مصیبت کا بھی سامنا ہے اور ہم پر یہ مصیبت بھی ٹوٹ چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری

دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور اس کی بھی کچھ وجوہات ہیں ہم زبان سے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے عبد ہیں اور ہم خاتم الانبیاءؐ کی اُمت ہیں اور ہم آئمہ ہدیٰ ؑ کے پیروکار ہیں۔

میں آپ حضرات کو اللہ کا واسطہ دے کر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس ایسا کون سا رابطہ ہے جو آپ کو خدا سے مربوط کرتا ہے؟ بتائیے ناں۔

آپ کے پاس نبی اکرمؐ اور آئمہ ہدیٰ ؑ سے رابطے کا کیا سامان ہے؟

صرف افعال و اقوال اور حرکات و سکنات کے علاوہ آپ کے پاس اور کچھ ہے؟؟

یہ اور مصیبت ہے۔

ہمارے مصائب میں ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ ہمارے گناہوں نے ہم سے رحمت کو منقطع کر دیا ہے اور ہم سے زمین و آسمان کی برکات چھین لی گئی ہیں۔

عزادارانِ امامِؑ مظلوم!

ایک اور مصیبت آج کے تازہ دن کی ہے۔ یہ ''صاحب المصیبۃ'' کی مصیبت ہے۔ امام حسینؑ پر اتنے مصائب آئے کہ آپؑ کا لقب ہی ''صاحب المصیبۃ'' بن گیا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کچھ عمومی صفات ایسی ہیں جن کے مطلب میں وسعت پائی جاتی ہے لیکن وہ امام حسین علیہ السلام سے مخصوص ہو چکی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جملہ مصائب امام علیہ السلام پر بدرجہ اتم نازل ہوئے تھے۔ اس جہان میں ''صاحب المصیبۃ'' آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

ایسی صفات میں ایک صفت ''مظلوم'' کی ہے۔ یہ لفظ امامؑ کا نام بن چکا ہے۔ آپؑ کے علاوہ یہ نام کسی اور کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔

امام علیہ السلام سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''جو یہ چاہتا ہے کہ جنت اس کا مسکن اور ماویٰ ہو تو اسے چاہیے کہ ''مظلوم'' کی زیارت کو نہ چھوڑے''۔

راوی نے عرض کیا: مولاؑ! مظلوم سے آپؑ کی کیا مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''کیا تو اسے نہیں پہچانتا؟''

وہ حسینؑ ابن علیؑ صاحبِ کرب و بلا ہیں۔

آپؑ کے ناموں میں سے ایک نام ''مکروب'' ہے۔

اور ''مکروب'' اسے کہا جاتا ہے جس کے دل پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے ہوں۔ یہ صفت بھی صرف امام علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

آج کا دن آپؑ کی مصیبت کا دن ہے

امام علیہ السلام کی مصیبت اور ہمارے دین کی مصیبت میں ایک طرح کی مشابہت ہی نہیں پائی جاتی بلکہ ان دونوں میں گہرا ارتباط بھی پایا جاتا ہے اور اس مصیبت کے ذریعہ سے ہم ان مصائب کو دور کر سکتے ہیں۔

ان دو مصائب میں مشابہت کا پہلو یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے مصائب میں سے کسی بھی مصیبت کو چھوٹی یا بڑی مصیبت نہیں کہا جا سکتا۔

امام حسین علیہ السلام پر جو کچھ نازل ہوا وہ ایک مصیبت تھی۔ اس کے بعد جو مصائب ٹوٹے ان کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ دین میں ہماری مصیبت کا تعلق بھی اسی نوعیت سے ہے۔ مصائب کے سلسلہ پر نگاہ دوڑائیں تو ایک سے بڑھ کر ایک مصیبت نازل ہوئی تھی۔ مثلاً موت بڑی مصیبت ہے۔ لیکن قبر میں داخل ہونا اور نکیرین کے سوالات اس سے بھی بڑی مصیبت ہے۔ اور حشر و نشر اس سے بھی بڑی مصیبت ہے۔ پھر اس کے بعد جو بھی مصیبت آتی جائے گی وہ پہلی مصیبت سے بڑی ہوگی۔

''صاحب المصیبۃ'' کے مصائب کا بھی یہی حال ہے۔ اگر میں یہ کہنا چاہوں

کہ بڑی مصیبت کون سی تھی تو مجھ سے اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

عزادارو!

شہزادی مکرمہ جناب سکینہ علیہا السلام کا فرمان ہے: جب ہم نے مدینہ چھوڑا تو یہ ہمارے لیے بڑی مصیبت تھی، لیکن آج کے دن کی مصیبت جب وہ صحرائے نجف کو عبور کر رہے تھے وہ مدینہ چھوڑنے سے بھی بڑی مصیبت ہے۔

یہاں سے دو فرسخ کے فاصلے پر حُر کا لشکر امام حسین علیہ السلام کے سامنے آیا۔ یہ اس سے بڑی مصیبت تھی۔

حُر ایک ہزار گھڑسواروں کا دستہ لے کر آیا۔ ابن زیاد کوفہ سے قطقانیہ یا قادسیہ تک اپنا لشکر پھیلا چکا تھا۔

بہرنوع! مخدراتِ عصمت اور بچوں کی نگاہیں آنے والے لشکر پر تھیں۔ بچوں کے دل لرز رہے تھے۔ مخدراتِ عصمت لشکر کو دیکھ کر پریشان تھیں۔ امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ مخدراتِ عصمت کو وہاں پر موجود ''ذوحشب'' یا ''ذوحسم'' کے مقام پر ٹھہرایا جائے۔

امام علیہ السلام نے اس ٹیلے کے نیچے صف بندی کی۔ حُر کی آمد عظیم مصیبت تھی۔

جی ہاں! آپ پر آنے والے تمام مصائب انتہائی شدید تھے اور ان میں سے چھوٹے بڑے ظلم کا تناسب بیان کرنا انتہائی مشکل ہے۔

آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ اضطراب زیادہ عظیم ہے یا مدینہ چھوڑنے کی مصیبت زیادہ عظیم ہے؟

حُر کی آمد یقیناً مصیبت تھی لیکن کربلا میں داخلہ اس سے بھی بڑی مصیبت تھا۔

اب اگر حضرت سکینہ معصومہؑ سے پوچھا جائے کہ سیّدہ! یہ بتائیں کہ کیا شفیق والد کے سائے میں مدینہ چھوڑنا بڑی مصیبت تھی یا کربلا سے بے پالان اونٹ پر سوار

ہو کر کوفہ جانا بڑی مصیبت تھی؟

اب آپ ہی بتائیں کہ دو مصیبتوں میں سے کون سی مصیبت عظیم تھی؟

آپ یہی کہیں گے کہ دوسری مصیبت زیادہ بڑی تھی۔ لیکن آپ کو یہ علم ہونا چاہیے کہ اس سے ایک مصیبت اور بھی بڑی تھی۔

اب آپ حضرات خود فیصلہ کریں کہ کیا بے کجاوہ اونٹوں پر سوار ہونا بڑی مصیبت تھی یا ابن زیاد کے دربار میں جانا بڑی مصیبت تھی؟

جی ہاں! میں مصائب کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا کہ ان میں سے بڑی مصیبت کون سی تھی اور سب سے بڑی مصیبت کون سی تھی؟

کیا ہمارے اعمال فرمانِ رسولؐ کے مطابق ہیں

ہمارا اصل موضوع یہی ہے کہ ہمارے اعمال اور ہمارے نبی اکرمؐ کے درمیان کوئی مشابہت موجود نہیں ہے۔

آپ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کو ملاحظہ فرمائیں:

کیا آپ کو اپنے اور نبیؐ کے درمیان کوئی مشابہت دکھائی دیتی ہے۔ ذرا آپ اپنے پیغمبرؐ کی عبادات، حرکات وسکنات پر نگاہ دوڑائیں۔ کیا ہمارے اندر آنحضرتؐ کی صفات میں سے کوئی صفت پائی جاتی ہے؟

ہم اپنی حالت اور اپنی بے ضابطگی سے بخوبی واقف ہیں لیکن اس کے باوجود ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ کسی چیز میں آنحضرتؐ سے مشابہت پیدا ہو جائے اور اگر ہمارے اور ہمارے پیغمبرؐ کے درمیان کوئی مشابہت موجود نہیں ہے تو پھر مشابہت پیدا کرنے کی کوشش کریں اور ابوعبداللہ الحسینؑ کا غم منائیں۔ اس سے آپ اور آپ کے پیغمبرؐ کے درمیان ایک صفت میں مشابہت پیدا ہو جائے گی۔

رسولِ اکرمؐ نے بھی امام حسین علیہ السلام پر گریہ کیا تھا اور ہم بھی ان کے مصائب پر

گریہ کرتے ہیں اور ان کا فرش عزا بچھاتے ہیں۔

نبی اکرمؐ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کو قائم کیا تھا۔ ان کی پیروی میں حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے بھی مخصوص کیفیت کے ساتھ حسینؑ مظلوم کا غم منایا تھا اور ہم بھی امامؑ کا غم مناتے ہیں......

یاد رکھیں! کہ اس انداز سے حضرتؑ کا غم منائیں کہ حضرتؑ کی روح مبارکہ آپ پر راضی ہو جائے۔

حدیث میں بیان ہوا ہے کہ مولا امام جعفر صادق نے ''مُفضّل'' سے فرمایا:

''کیا تم حسینؑ کی زیارت کرتے ہو؟

مفضل نے عرض کیا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس زیارت سے تمھارا زیارت نہ کرنا بہتر ہے جبکہ زیارت کرنا زیارت نہ کرنے سے بہتر ہے۔

مفضل نے عرض کیا: مولاؑ! آپ نے تو میری کمر توڑ دی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے باپ کی قبر پر جاتا ہے تو غمگین بن کر جاتا ہے اور زیارت حسینؑ پر جاتے ہو تو وہاں دسترخوان بچھا کر انواع واقسام کی نعمات کھاتے ہو۔

ہرگز نہیں! جاؤ تو تمھارے سروں میں خاک ہو اور تمھارے چہرے غبار آلود ہوں''۔

رسولؐ اللہ اور مولا علیؑ کی عزاداری

آج پہلا دن ہے میں چاہتا ہوں کہ یہ بیان کروں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی المرتضیٰ علیہ السلام نے سیّد الشہداءؑ کی عزاداری کیسے کی؟

پہلے سنیئے کہ رسولِ اکرمؐ نے اپنے فرزند کا غم کیسے منایا؟

غور سے سنیئے!

رسولِ اکرم ﷺ اپنے اس فرزند سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان کا احترام کرتے تھے۔

رسولِ اکرم ﷺ کو اپنے اس فرزند سے اتنی محبت تھی کہ جس کا اندازہ لگانے سے انسانی عقل قاصر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا درجہ محبت دیکھنا ہو تو پھر مسجد نبویؐ پر نگاہ دوڑائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اللہ کے رسولؐ خطبہ میں مصروف ہیں۔ اس وقت امام حسین علیہ السلام کم سن بچے ہیں اور وہ مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی قمیض ان کے پاؤں سے الجھتی ہے اور حسینؑ فرش مسجد پر گر جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ اپنی جلالت و وقار کے باوجود اپنے خطبہ کو ختم کر دیتے ہیں اور منبر چھوڑ کر نیچے اُتر آتے ہیں اور آکر گرے ہوئے حسینؑ کو اٹھاتے ہیں۔

کچھ حاضرین یہ دیکھ کر حیران و پریشان ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ کیسی محبت ہے؟ حاضرین میں سے ایک نے کہا: یارسولؐ اللہ! بچوں سے اتنی محبت ہم نے آج تک نہیں دیکھی۔

رسولِ اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا:

"اللہ نے مجھے اس کی محبت کا حکم دیا ہے"۔

الغرض! نبی اکرم ﷺ نے کئی طریقوں سے حسینؑ کا غم منایا۔

غم منانے کا سلسلہ امام علیہ السلام کی ولادت کے دن سے شروع ہوا اور آنحضرتؐ کی حیات مبارکہ کے آخری انفاس تک جاری رہا۔

ولادت حسینؑ کے وقت آپؐ حجرہ میں موجود تھے۔ جب امامؑ کی ولادت ہو گئی تو آپؐ نے فرمایا: میرا فرزند میرے پاس لاؤ۔

اسماء بنت عمیس نے عرض کیا: ابھی تک ہم نے اسے پاک نہیں کیا۔

آپؐ نے فرمایا: ''کیا تو اُسے پاک کرے گی؟ اللہ نے اسے طاہر بنایا ہے۔

بی بیؑ نے امام کو ایک اُونی کپڑے میں لپیٹا اور آنحضرتؐ کے پاس لے آئیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آپؑ پر پہلی نظر پڑی تو فرمایا:

''ابوعبداللہ! میرے لیے تیرا صدمہ سخت گراں ہے''۔

عزادارو!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام کی آخری مجلس عزا اس وقت منعقد کی تھی جب آپؑ کی زندگی کا چراغ گل ہو رہا تھا۔

اس وقت امام حسین علیہ السلام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبین مبارک سے پسینہ کے قطرات آپؑ کے چہرے پر گر رہے تھے اور آپؐ کی نگاہیں عالم بقا پر تھیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کے دل میں کیا خیال پیدا ہوا کہ آپؐ کے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا:

''یزید کا مَیں نے کیا بگاڑا ہے۔ میرا یزید سے کیا واسطہ ہے؟

خدایا! یزید پر لعنت فرما''۔

اختصار کے وقت، نزع کے عالم میں، دنیا سے رخصتی کے وقت بھی آنحضرتؐ نے غم حسینؑ منایا۔

آیئے دیکھیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی وفات کے بعد غم حسینؑ کب منایا تھا؟ آنحضرتؐ نے عاشورہ کے دن غمِ حسینؑ منایا۔

میں یہاں اختصار سے کام لوں گا۔

رسولِؐ خدا کبھی تو آپؑ کی پیشانی چومتے تھے اور روتے تھے اور کبھی آپؑ کے ہونٹوں اور منہ کو چومتے تھے اور روتے تھے اور کبھی آپ کی گردن کا بوسہ لے کر

روتے تھے۔

روایات میں ہے کہ آنحضرتؐ آپ کا ''نحر'' چومتے تھے۔

اور ''نحر'' گردن کے اندرونی حصّہ کو کہا جاتا ہے جس مقام سے اونٹ کو چھری یا نیزہ سے ''نحر'' کیا جاتا ہے۔

اور کبھی آپ کے شکم سے کپڑا ہٹا کر بار بار بوسے دیتے تھے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اوقات ایک خاص شکل میں مذکورہ چار مقامات کو چوما کرتے تھے اور بعض اوقات آپؐ کا بوسہ کسی خاص اور معین عضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا تھا۔

جب یہ مظلوم صغیر السن تھے اور آپؑ نے گھٹنوں کے بل چلنا شروع کیا تھا تو رسولِؐ خدا حضرت علیؑ سے فرماتے تھے کہ حسینؑ کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند کو اٹھا کر نبی اکرمؐ کی خدمت میں پیش کرتے تو آپؐ امام حسینؑ کے پورے بدن کا بوسہ لیتے اور خوب گریہ کیا کرتے تھے۔

امیرالمومنینؑ عرض کرتے: یارسولؐ اللہ! آپؐ کیوں رو رہے ہیں؟

آنحضرتؐ فرماتے تھے: میں ان مقامات کا بوسہ لے رہا ہوں جہاں تلواریں پڑیں گی......؟

عزیز بھائیو!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام افعال میں حکمت تھی اور ہر مقام کے بوسے کا بھی ایک مقصد تھا۔

آنحضرتؐ امام حسین علیہ السلام کی پیشانی چوما کرتے تھے۔ کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ اس لیے پیشانی چومتے تھے کہ اس پیشانی پر روزِ عاشور پتھر لگنا تھا۔

ممکن ہے کہ ان کا یہ خیال صحیح ہو لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ آنحضرتؐ نے پیشانی

کے بوسے اس لیے لیے تھے کہ شہادت کے وقت آپؑ کی پیشانی گرم زمین پر تھی۔

آنحضرتؐ اپنے فرزند کے ہونٹوں اور منہ کے بار بار بوسے لیتے تھے۔

عزادارو!

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں جب امام حسین علیہ السلام مدینہ کی گلیوں میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہوتے تھے اور نبی اکرمؐ کا وہاں سے گزر ہوتا تو آپؐ سیدھے حسینؑ کی طرف آتے تھے۔ ادھر حسینؑ کبھی دائیں ہو جاتے تھے اور کبھی بائیں چلے جاتے تھے۔ ایک طرح کی آنکھ مچولی کھیلتے تھے۔ نبی اکرمؐ بھی انھیں پکڑنے کے لیے کبھی دائیں جاتے اور کبھی بائیں جاتے تھے۔ آخرکار نبی اکرمؐ اپنے فرزند کو پکڑ کر اٹھاتے تھے اور ان کے منہ اور ان کے دندان مبارک کے بوسے لیتے تھے۔

آنحضرتؐ صاحب وقار انسان تھے مگر اس کے باوجود حسینؑ کے ناز اٹھاتے تھے۔

نبی اکرمؐ کے ان بوسوں کا راز اس وقت کھلا جب ظالم اپنے دربار میں چھڑی لے کر حسینؑ کے منہ اور دانتوں پر لگا رہا تھا۔

رسولِ خدا امام حسین علیہ السلام کی گردن مبارک کے بوسے لیا کرتے تھے۔

آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ نحر اور ذبح دونوں میں فرق ہے۔ ذبح میں سر تن سے جدا کیا جاتا ہے اور نحر کرتے وقت گردن میں نیزہ مارا جاتا ہے جیسا کہ اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے۔

ہائے حسرت! حسین مظلوم صرف ذبیح نہ تھے بلکہ آپؑ ''منحور'' (نحر شدہ) بھی تھے جیسا کہ زیارات میں آپ یہ جملہ پڑھتے ہیں ''نحرہ منحور'' انؑ کی گردن کو نحر کیا گیا تھا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

دوسری مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنے نفوس اور دین کی مصیبت

عزادارانِ امامؑ مظلوم!

میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں کہ میں ان دو مصیبتوں میں سے کس مصیبت کو بیان کروں۔

کیا میں اپنے نفوس کی مصیبت کو بیان کروں یعنی کیا میں اپنے دین کی مصیبت کو بیان کروں جس کی وجہ سے ہماری دعائیں رد ہو رہی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا

''ہمارے دین میں مصیبت قائم نہ کرنا''۔

یا میں ان ایام کی مصیبت بیان کروں؟

ابتداء میں ہم اپنی ہی مصیبت کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ مصائب عظمیٰ کے مالک نے تو یہ تمام مصائب اسی لیے جھیلے تھے تاکہ لوگوں کی اس مصیبت کو دور کرے۔

اسی لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اپنی مصیبت کا ذکر کیا جائے۔ اسی لیے میں دعائے کمیل کے یہ جملے دہراتا ہوں:

اَللّٰھُمَّ عَظُمَ بَلَآئِیْ وَاَفْرَطَ بِیْ سُوْٓءُ حَالِیْ وَقَصُرَتْ بِیْ اَعْمَالِیْ وَقَعَدَتْ بِیْٓ اَغْلَالِیْ......

''خدایا! میری آزمائش بڑھ چکی ہے اور میری بری حالت میں
اضافہ ہو چکا ہے اور میرے اعمال نے مجھے پیچھے دھکیل دیا ہے
اور میری زنجیروں نے مجھے بٹھا دیا ہے''۔

اے خدایا! میری مصیبتیں کئی جہات سے شدید ہو چکی ہیں اسی لیے میں بار بار اَللّٰهُمَّ عَظُمَ بَلَآئِیْ کے الفاظ کا تکرار کرتا ہوں۔

خدایا! میری تجارت نے مجھے کوئی فائدہ نہیں دیا اور میری جان خسارہ میں رہی۔

خدایا! جو ثروت و دولت تو نے مجھے دی تھی اس کی ایک بڑی مقدار ضائع ہو چکی ہے۔ اس کی تھوڑی سی مقدار باقی ہے، لیکن میں فائدہ حاصل نہ کر سکا اور میں نفع حاصل کرنے میں ناکام رہا اور اس سرمائے سے میں آخرت کا کوئی سودا خرید نہیں کر سکا بلکہ اس کے بجائے مَیں نے دنیا کا سودا خریدا ہے۔

وہ کیسا بازار ہے؟ اس بازار میں خالص سکہ ہی قبول کیا جاتا ہے کیونکہ صرّاف کی نگاہ بہت تیز ہے اور وہاں کھوٹے پیسے نہیں چلتے۔

عزیز بھائیو!

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ دنیا اولیائے الٰہی کی تجارت گاہ ہے لیکن میں یہاں مناسب انداز سے تجارت نہیں کر سکا۔ میری حالت یہ ہے کہ نہ تو معاملہ فائدہ مند ہے اور نہ ہی بیع صحیح ہے اور نہ ہی سودا صاف ہے اور نہ ہی نقدی خالص ہے۔۔۔

اب مجھے معلوم نہیں ہے کہ میں کون سا منہ لے کر صاحب مال کے گھر جاؤں گا۔ اس نے تجارت کے لیے مجھے مزدور بنایا تھا اور اس کے لیے مجھے مناسب ثروت بھی عطا کی تھی۔

اسی لیے میں یہ دہرانے پر مجبور ہوں۔ اَللّٰهُمَّ عَظُمَ بَلَآئِیْ تو نے تو مجھے خالص بیج دیا تھا تاکہ میں اسے دنیا کے مزرعہ میں کاشت کروں کیونکہ دنیا آخرت کی

کھیتی ہے۔ لیکن اب میری حالت یہ ہے کہ نہ تو بیج موجود ہے اور نہ ہی کھیتی ہے۔ مَیں نے جوانی میں کاشت کاری نہیں کی اور اب بڑھاپا آ چکا ہے۔ اب تک مَیں نے نفس کی زمین میں نیکیوں کا بیج نہیں بکھیرا۔

معزز حاضرین!

مَیں نے نہ تو موسم گرما میں کاشتکاری کی اور نہ ہی موسم سرما میں کچھ کاشت کیا۔

کل کو کٹائی کا وقت آنے والا ہے تو میرے پاس ڈھیری کیا ہو گی؟ اَللّٰھُمَّ عَظُمَ بَلَآئِیْ مَیں اس جملہ کو بار بار دہراتا ہوں۔ خدایا! میں اس دنیا کے تاریک سمندر میں جا گرا ہوں اور شارک مچھلیوں نے مجھے نگل لیا ہے، میں تیر نہیں سکا اور میں کنارے پر بھی نہیں پہنچ سکا اور میں کسی کشتیٔ نجات پر بھی سوار نہیں ہوا۔

مجھے معلوم نہیں ہے کہ اس موجودہ غرقابی کا انجام کیا ہو گا۔ پہلے میں دنیا کے تاریک سمندر میں غرق ہوا اور اس کے بعد مجھے قبر کے سمندر میں غرق ہونا ہے۔ پھر قیامت کے بحر زخّار میں مجھے ڈوبنا ہے۔ میں ان غرقابیوں سے بہت زیادہ خوفزدہ ہوں۔ آہ۔ آہ۔ اَللّٰھُمَّ عَظُمَ بَلَآئِیْ۔

آخر میرا انجام کیا ہو گا؟ مَیں نے اپنی جان کو نفسِ امّارہ جیسے دشمن کے سپرد کر دیا ہے جبکہ شیطان میرا عدو مبین تھا لیکن مَیں نے اسے اپنا سرپرست بنا لیا ہے۔ اب میں نفسِ امّارہ اور شیطان کا اطاعت گزار بن چکا ہوں۔ مجھے یہ خوف کھائے جا رہا ہے کہ ان دو دشمنوں سے خلاصی کے بعد مجھے اور دشمنوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

کچھ تو سوچیں!

جب آپ اس حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوں گے تو یہ تمام باتیں کھل کر سامنے آ جائیں گی۔ وہاں ملک الموت تیرا دشمن ہو گا کیونکہ وہ دشمنانِ خدا سے دشمنی رکھتا ہے اور جو فرشتہ تجھے قبر تک لے جائے گا وہ بھی تیرا دشمن ہو گا۔ نکیرین تیرے دشمن

ہوں گے اور جب تو قبر سے باہر آئے گا تو پکڑنے والے فرشتے تیرے دشمن ہوں گے۔تو ایک دشمن کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے دشمن کے ہاتھوں میں چلا جائے گا اور اگر توبہ نہ کی تو انجام دوزخ ہے اور دوزخ کے داروغہ کا نام مالک ہے۔ وہاں وہ بھی تیرا دشمن ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ عَظُمَ بَلَآئِیْ خدایا! میری آزمائش بڑی ثقیل ہے۔ میرے سامنے بہت سے راستے ہیں اور میں مسافر ہوں۔ جب میں اس جہان سے جاؤں گا تو مجھے آنے والے دور دراز راستوں کا کوئی علم نہیں ہوگا۔ جہاں نہ تو میرے لیے کوئی آرم گاہ ہوگی اور نہ کوئی رفیق سفر ہوگا۔ میرے پاس زاد راہ بھی نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میری منزل کیا ہوگی؟

میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ جس طرح سے میں اس جہان میں بھٹک چکا ہوں کہیں دوسرے جہانوں میں بھی بھٹک کر ٹامک ٹوئیاں نہ ماروں۔

اَللّٰھُمَّ عَظُمَ بَلَآئِیْ خدایا! میری آزمائش سخت ہے۔

خدایا! میرے پورے وجود میں معصیت کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ جب کہ تیرے ملائکہ ہر نماز کے وقت آوازیں دے کر یہ کہتے ہیں لوگو! اٹھو! تمھارے پیچھے جو آگ جل رہی ہے اسے نماز کے ذریعہ سے بجھا دو۔

عزیزانِ گرامی قدر!

میں ڈرتا ہوں کہ میں اس آگ میں زندگی نہ بسر کروں اور پھر جان کنی کے وقت 'احتضار کی آگ' کے شعلے مجھے نہ جلائیں اور یوں آگ پر آگ کا اضافہ نہ ہوتا چلا جائے۔ اس کے بعد قبر کی آگ کا مرحلہ درپیش ہے۔ پھر قیامت کی آگ اس کے بعد میں ہے اور اگر میری یہی حالت رہی تو اس کے بعد انجام کی آگ کا مرحلہ ہے۔

خدایا! حالات بہت کٹھن ہیں اور آزمائشیں عظیم ہیں۔ اب مجھے بتا کہ میں کس

کس مصیبت کو مدنظر رکھ کر اس پر گریہ و نوحہ کروں؟

سامعین! اگر آپ رونے لگے ہیں اور آپ پر گریہ طاری ہو گیا ہے تو ان شاء اللہ یہ رونا آپ کو فائدہ دے گا اور اگر آپ غم سے نڈھال ہو چکے ہیں تو یہ بہت اچھی چیز ہے اور اگر آپ کو اپنی اس حالت پر رونا نہیں آتا تو پھر میری کم از کم آپ سے گزارش یہی ہے کہ اس گفتگو پر نہ ہنسیں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ اس محفل میں حاضرین کے اذہان پر خوفِ خدا کی کیفیت طاری ہو گی۔

وہ لوگ جو یہ گفتگو سن کر ہنس رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کان ہدایت کی باتوں سے نامانوس ہیں۔

سامعین!

یہاں ایک اور ہولناک چیز ہے جو کہ ان سب سے زیادہ ہولناک ہے۔ مَیں نے یہ کہا ہے کہ مجھے یہ خوف ہے کہ مجھے اپنی تجارت میں خسارہ اٹھانا پڑے گا، میری زراعت جل جائے گی، میں ڈوب جاؤں گا اور مجھے تاریکیوں کے بعد مزید تاریکیوں میں دھکیلا جائے گا۔

یہ تمام خوف اپنے مقام پر ہیں۔ مجھے تو یہ خوف ہے کہ مجھ پر یہ تمام ہولناک حالات بیک وقت وارد نہ ہوں۔

میں ان تمام ہولناکیوں میں مبتلا افراد کو دعوت دیتا ہوں کہ آیئے ان ہولناکیوں کا علاج تلاش کریں۔ میں ان افراد کو دعوت دیتا ہوں جنہیں اپنی تجارت میں خسارے کا سامنا ہے۔ اے وہ لوگو جنہوں نے اپنا سرمایہ ضائع کر دیا ہے اور اب ان کے ہاتھ خالی ہو چکے ہیں۔ اب ان کے پاس نقد خالص نہیں ہے۔ جسے وہ قیامت کے بازار میں لے جائیں۔

ایسے افراد کو میں خوش خبری سنانا چاہتا ہوں کہ آج تاجروں کا سلطان ارض نجف سے گزرے گا اور اس کے پاس بہت سے تھیلے ہیں جن میں ہر طرح کا مرغوبہ سامان موجود ہے اور وہ باہمی تجارت کا ارادہ رکھتا ہے۔

اے تجارت میں خسارہ اٹھانے والے لوگو! آؤ اور اس قافلہ سے مل جاؤ۔

جی ہاں! اسی دن یعنی محرم کی دو تاریخ کو اس نے یہاں سے گزرنا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ وہ اس دن یہاں سے گزر کر کربلا پہنچا تھا۔

اے سفر کرنے والے دوستو! جنہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ان کے سفر کا اختتام کب اور کہاں ہوگا، تم آ جاؤ۔ تمھارے لیے یہاں نجات کا سامان ہے۔

آج کے دن ایک مسافر کی سواری نے گزرنا ہے۔ وہ مسافر تمھاری رہنمائی کر سکتا ہے۔ لہٰذا آؤ اور اس کے پیچھے چلو۔

اے دنیا کے تاریک سمندر میں ڈوبنے والو! جن کے متعلق یہ احتمال ہے کہ وہ مزید سمندروں میں غرق ہوں گے اور ان کی غرقابی کا سلسلہ ابدالاباد تک جاری رہے گا، تمھاری نجات کا وسیلہ پہنچ چکا ہے۔ آج کے دن کشتی نجات کربلا میں لنگر انداز ہو رہی ہے اور یہی کشتی تمام جہانوں کے لیے نجات کا وسیلہ ثابت ہوگی۔

آؤ! سفینہ نجات کی طرف چلو۔ یہ سفینہ بڑی ہی برکتوں والا ہے۔ یہ اپنے سفر کے لیے زیادہ پانی کا محتاج نہیں ہے۔ یہ تو ایک قطرہ پر بھی چل سکتا ہے۔

اے وہ لوگو! جن کی کھیتی جل چکی ہے اور اے وہ لوگو! جو "مزرعۃ الدنیا" میں کھیتی کے لیے آئے تھے لیکن کھیتی نہ کی اور جن کے پاس بیج تک باقی نہیں رہے اور آلات زراعت باقی نہیں رہے اور جن کے پاس نہ تو ربیع کی فصل ہے اور نہ ہی خریف کی فصل ہے اور کٹائی کے وقت جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے! ایسے لوگو! آؤ تمھاری کامیابی کا سامان ہو چکا ہے۔ ایک کاشت کار یہاں سے گزر رہا ہے۔ اس کے پاس

کاشت کاری کا پورا سامان موجود ہے۔ وہ کربلا میں جا کر اپنی فصل کاشت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

تمام ساتھیو! آؤ اور اس کے پیچھے چلو اور یوں اس کے کاشت کردہ باغ و بستان میں پہنچ جاؤ گے جبکہ وہ کاشتکار بڑا سخی اور کریم ہے۔ اس کے کاشت کردہ باغ کے پھلوں سے استفادہ کرو اور اس کی پیداوار سے فائدہ حاصل کرو۔

اے ان سفروں میں چلنے والے مسافرو! جن کا کوئی رہنما نہیں اگر تم نے اس مسافر کے ساتھ سفر نہ کیا تو راستے میں پکڑے جاؤ گے اور تمہیں نامعلوم مقامات پر منتقل کر دیا جائے گا۔

آج ایک عظیم مہمان خانہ کا مالک کربلا جانے کے لیے یہاں سے گزرے گا۔ اس کے پاس وسیع و عریض مہمان خانہ موجود ہے لہٰذا تم اپنے آپ کو اس مہمان خانہ تک پہنچاؤ۔

ایسے تمام فوائد کے حصول کے لیے آج ہی رخت سفر باندھو اور کشتی نجات میں سوار ہو جاؤ۔ صحیح راستہ دکھانے والے سردار کے قافلہ کے ساتھ مل جاؤ اور عظیم مہمان خانہ کے مالک کی طرف رُخ کر لو اور اس قافلہ کے ساتھ چل پڑو۔

سامعین محترم!

ان باتوں کو کنایہ پر محمول نہ کریں بلکہ ان تمام الفاظ کے پیچھے حقیقت اور واقعیت موجود ہے۔ ایک جنگ میں امیرالمومنینؑ کو فتح نصیب ہوئی تو آپؑ کے ایک ساتھی نے بڑی حسرت سے کہا کہ کاش! میرا بھائی بھی ہمارے ساتھ ہوتا تو وہ اس کامیابی پر بہت خوش ہوتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تیرا بھائی ہم سے محبت رکھتا ہے؟

اس شخص نے جواب دیا۔ جی ہاں اور اس نے اس پر قسم بھی کھائی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: فکر نہ کرو وہ ہمارے ساتھ تھا اور ہم سے محبت رکھنے والے افراد جو کہ ابھی تک اصلاب کا سفر طے کر رہے ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔

مقصدِ امامؑ یہ ہے: چونکہ ان کے دل ہمارے ساتھ ہیں تو گویا وہ اس جنگ میں بھی ہمارے ساتھ تھے۔

اب میں آپ حضرات سے کہتا ہوں کہ آؤ! اس صحرا سے چلیں اور سیّد الشہداءؑ کے قافلہ کے ساتھ شامل ہو جائیں اور وہاں پہنچ کر نجات اور کامیابی حاصل کریں۔

تم وہ لوگ ہو جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو محبت نامے لکھے ہیں۔

تم لوگ کوفی نہیں کہ وفا نہ کرو۔ امام علیہ السلام نے تم سے مدد طلب کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم بے وفائی نہیں کرو گے۔ تم انؑ کے ساتھ ضرور چلو گے۔

ساتھیو! کیا تم نے اس راستے پر چلنے کا عزم مصمم کر لیا ہے؟

اب اپنے نفوس اس سفر کے لیے تیار کرو۔ تم لوگوں کو نصرت کی دعوت دی گئی ہے اور تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے انداز میں فرزند رسولؐ کی مدد کر سکتا ہے۔

اب آپ نے عالم حقیقت کا سفر اختیار کیا ہے تو آپ حضرت ابو عبداللہؑ تک پہنچ ہی جائیں گے۔ اب جبکہ تم چل پڑے ہو تو امام علیہ السلام کا حال ملاحظہ کرو......

تم کیا دیکھ رہے ہو؟ تم عنقریب دیکھو گے۔

وُرُودِ کربلا سے قبل حالات کا خلاصہ

ابن زیاد نے قادسیہ اور قطقطانیہ تک اپنا لشکر پھیلا دیا ہے تا کہ کوئی بھی شخص امام علیہ السلام کی نصرت کے لیے ان کے قافلہ میں شرکت نہ کرے اور امام علیہ السلام کا کوئی قاصد کوفہ شہر نہ آ سکے۔

میں حضرتؑ کا حال دیکھ رہا ہوں اور آپ بھی دیکھ لیں۔

میں اس وقت حسینؑ کا کیا حال بیان کروں؟

میں حر بن یزید الریاحی (رضوان اللہ علیہ) کے عنوان پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اسی سے آپ کو امام علیہ السلام کے دکھوں اور غربت کا اندازہ ہو سکے گا۔

حر کی تفصیلی گفتگو بحار میں موجود ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حُر نے یزیدی فوج سے کہا:

''تم نے اس عبد صالح کو دعوت دی اور انھوں نے تمھاری دعوت قبول کی۔ لیکن تم نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ تم نے انھیں اتنا مجبور کر دیا کہ اب وہ تمھارے ہاتھوں میں ایک قیدی بن چکا ہے''۔

یزیدی فوج نے امام علیہ السلام پر اتنی سختی کی کہ کربلا کے علاوہ آپؑ کے پاس کوئی جائے پناہ نہ رہی۔ ظالموں نے آپؑ کو آپؐ کے ناناؐ کے حرم سے نکالا تو آپؑ حرم خدا میں پناہ لینے کی غرض سے مکہ آئے لیکن مکہ میں بھی آپؑ کو پناہ نہ ملی۔ آخرکار آپؑ کو مکہ چھوڑنا پڑا اور بہت سے منازل طے کر کے آپؑ کربلا پہنچے۔

لوگو!

اس مظلوم کو دیکھو اور امام علیہ السلام کی مصیبت کو دیکھو۔ راستے میں ایک شخص آیا اور اس نے امام علیہ السلام کو مختلف تجاویز دیں۔ ان تجاویز میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ آپؑ یمن چلے جائیں۔ کیوں کہ وہاں آپؑ کے بہت سے شیعہ رہتے ہیں۔ آپؑ کو یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ آپؑ فلاں پہاڑ پر چلے جائیں اور اسے اپنا ٹھکانہ بنا لیں۔

آپؑ یہ نہ سمجھیں کہ امام علیہ السلام کی مصیبت بس یہی تھی کہ آپؑ کو تیر اور نیزے اور خنجر لگے تھے۔

آپؑ کے عظیم مصائب میں سے یہ مصیبت کیا کم تھی کہ جب آپؑ نے مکہ چھوڑا تو وہ حج کے ایام تھے۔ مسلمان قافلوں کی شکل میں مکہ کی طرف جا رہے تھے لیکن وہ امام علیہ السلام سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور وہ آپؑ کے قافلہ کو دیکھ کر

راستہ بدل لیتے تھے۔ یہ اس لیے آپؑ سے دور ہو جاتے تھے کہ کہیں امام علیہ السلام ان کو اپنی مدد کے لیے نہ بلا لیں۔

زہیر بن القینؓ کا بیان ہے: ہم لوگ ایک قافلہ کی شکل میں سفر کر رہے تھے۔ ہم امام علیہ السلام کے قافلہ سے دُور اپنے خیمے نصب کر رہے تھے یہاں تک کہ راستے میں ہم ایک منزل پر پہنچے جہاں پانی کا کنواں تھا۔ ہم خیمہ میں بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے کہ ہمارے پاس امام حسین علیہ السلام کا ایک قاصد آیا اور اس نے کہا:

زہیر! ابوعبداللہؑ تجھے اپنے پاس بلاتے ہیں۔ جب ہم نے یہ پیغام سنا تو ہمارے ہاتھوں سے لقمے گر پڑے اور ہمارے سروں پر پرندے بیٹھ گئے۔

اس وقت پردہ کی اوٹ سے زہیر کی بیوی نے آواز دے کر کہا:

زہیر! سبحان اللہ! فرزند رسولؐ تمہیں بلا رہے ہیں اور تم جانے پر آمادہ نہیں ہو۔

یہ ایک مصیبت تھی، ایک اور مصیبت سنیں۔

عزادارو!

عبداللہ بن حر جُعفی عرب کا مشہور انسان تھا، وہ اس وقت کوفہ سے نکلا ہوا تھا اور اس نے قصر بنی مقاتل کے خطہ کے پاس اپنا خیمہ نصب کیا ہوا تھا۔ امام علیہ السلام نے اس کے پاس اپنی نصرت کے لیے اپنا قاصد بھیجا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خود اُس کے پاس جاتا ہوں۔ پھر جب امام علیہ السلام تشریف لائے اور اس کے خیمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اس سے فرمایا:

''اے شخص! تُو گناہگار اور خطاکار انسان ہے...... میری مدد کرتا کہ تیرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے''۔

اس شخص نے جواب میں کہا: ''میں ایک دولت مند اور صاحب شرف اور قبیلہ والا آدمی ہوں۔ خدا کی قسم! میں کوفہ سے اسی لیے نکلا کہ کہیں آپؑ کوفہ نہ آ جائیں اور

میں آپؑ کی مدد نہ کرسکوں لیکن میں اپنا یہ گھوڑا اور یہ نیزہ آپؑ کی نذر کرتا ہوں، آپؑ یہ دونوں چیزیں لے لیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''ہمیں تمھارے گھوڑے اور دولت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اس صحرا سے بھاگ کر دور چلا جا تا کہ ہماری آواز استغاثہ تیرے کانوں پر نہ پڑے جو بھی ہماری آوازِ استغاثہ سنے اور ہماری مدد نہ کرے تو خدا اسے اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دے گا''۔

اس حکایت کی تفصیل بحار میں موجود ہے۔

الغرض! گویا کہ میں اپنی نظروں سے ایک شخص کو دیکھ رہا ہوں جو امام علیہ السلام کے پاس سے گزرا لیکن اس نے آپؑ کو سلام نہ کیا اور وہ سیدھا حُر کے پاس گیا۔ یہ شخص حُر کے نام ابن زیاد کا خط لے کر آیا تھا۔ ابن زیاد نے اپنے خط میں لکھا تھا:

امابعد! جب تجھے میرا یہ خط پہنچے تو حسینؑ پر سختی کر اور اسے کسی ویران مقام پر اترنے کے لیے مجبور کر دے، جہاں پانی اور آبادی نہ ہو۔

امامؑ عالی مقام نینویٰ سے غاضریہ یا سقیہ کے مقامات پر اترنا چاہتے تھے اور اپنے خاندان کو کسی گاؤں میں رکھنا چاہتے تھے لیکن یزیدی فوج نے آپؑ کو اس کی اجازت نہ دی اور آپؑ کو گھیر کر کربلا لائے، جو کہ آبادی سے بہت دور مقام تھا۔ گویا یہ منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ امام علیہ السلام نے خاک اٹھا کر اسے سونگھا اور پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے؟

جب بتایا گیا کہ اسے ''کربلا'' کہا جاتا ہے تو آپؑ نے فرمایا:

''یہاں ہماری سواریاں بیٹھیں گی! یہاں ہمارے خون بہائے جائیں گے!''

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ○

تیسری مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

التجا ہے بارگاہِ توحید میں!

اللھم لا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا

''خدایا! ہمارے دین میں مصیبت قائم نہ کرنا اور دنیا ہی کو ہمارا مطمع نظر نہ بنانا اور اسے ہی ہمارے علم کا مبلغ نہ بنانا اور ہم پر کسی ایسے کو مسلط نہ کرنا جو ہم پر رحم نہ کرتا ہو''۔

نفسِ امّارہ کے ہاتھ میں ہماری باگ ڈُور

اگر آپ گہری نظر سے دیکھیں گے تو آپ کو اچھی طرح سے معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی باگ ڈور اس ظالم کے ہاتھ میں کس نے دی ہے؟ وہ ظالم ہم خود اور ہمارا نفسِ امّارہ ہے جو ہمیشہ برائیوں کی ترغیب دیتا ہے۔

اگر آپ مکمل توجہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ظالم آپ پر کس حد تک مسلط ہے اور اس نے آپ پر کیا کیا مصائب توڑے ہیں تو آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی چین نہیں آئے گا۔

سامعین محترم!

سب سے پہلے آپ اس نفسِ امّارہ کے صفات کو ملاحظہ کریں جن کے متعلق کچھ دعاؤں میں شکوہ کیا گیا ہے اور ان دعاؤں میں یہ درس دیا گیا ہے کہ ہم نفس کی

چیرہ دستیوں کا شکوہ خدا کے حضور کیسے کریں۔

اللھم... انا نشکر الیك نفسا بالسوء امارۃ والی الخطیئۃ مبادرۃ وبمعاصیك مولعۃ... الی آخرہ

''خدایا! ہم تیرے حضور اس نفس کی شکایت کرتے ہیں جو کہ برائیوں کا حکم دیتا ہے اور خطاؤں کی طرف جلد بازی کرتا ہے اور تیری معصیت کا رسیا ہے......''

نفس کی چیرہ دستیوں کے لیے صحیفہ سجادیہؑ میں مناجات خمسہ عشر میں سے آخری مناجات پڑھیں۔

سامعین محترم!

یہ تمام صفات مجھ میں اور آپ میں جمع ہو چکی ہیں۔آپ ان دعاؤں پر غور کریں جن میں نفس کا شکوہ کیا گیا ہے۔آپ تمام حضرات حرمِ امیرالمومنینؑ میں جب آپ کے چہرے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو زیارت معرفت پڑھتے ہیں جس کے چند کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْ نَفْسِیْ مُطْمَئِنَّۃً بِقَدَرِكَ رَاضِیَۃً بِقَضَائِكَ مُوْلَعَۃً بِذِكْرِكَ وَدُعَائِكَ

''خدایا! میرے نفس کو اپنی تقدیر پر مطمئن فرما اور اپنی قضاء پر راضی فرما اور اپنے ذکر اور دعا کا اسے رسیا بنا''۔

میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ دعائیں محض زبانی جمع خرچ ہیں اور کیا یہ جھوٹ کا پلندہ ہیں؟ (معاذ اللہ!)

خدا کی قسم! ہمارا دین زبانی جمع خرچ پر مبنی نہیں ہے اور ہمارا دین ایسے چھلکے پر بھی مبنی نہیں ہے جس میں مغز موجود نہ ہو۔

اگر آپ اپنے اعمال و افعال پر نظر ڈالیں تو آپ کو وہ مغز سے خالی دکھائی دیں گے لہٰذا اس حالت میں آپ جو دعائیں پڑھتے ہیں وہ ایسا ڈھانچہ ہیں جن میں روح کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی۔

ساتھیو! خدارا! سچ کہنا یہ دعائیں جنہیں آپ روزانہ پڑھتے ہیں کیا ہمارے اندر ان کی ہلکی سی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے؟

میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا ان فقرات میں سے آپ کو اپنے اندر ایک فقرہ کی تجلی بھی دکھائی دیتی ہے؟ کیا آپ اللہ کی تقدیر سے پوری طرح مطمئن ہیں؟ اگر اگلا جہان اسی جہانِ دنیا کی طرح سے ہوتا تو پھر وہاں آپ کے حیلے بہانے کام آ جاتے۔

اگر آپ ایسا ہی خیال کرتے ہیں تو خدا کی قسم آپ غلطی کر رہے ہیں۔ اگلا جہان حقیقت کا جہان ہے وہاں زبانی جمع خرچ اور جھوٹ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ذرا اپنی حالت زار پر غور کر کے یہ فیصلہ کریں کہ کیا آپ کے اندر اولیاء اللہ کی سنتوں میں سے کوئی سنت پائی جاتی ہے؟ اور کیا آپ دشمنانِ خدا کے اوصاف کو واقعی ترک کر چکے ہیں؟ اور کیا آپ نے روز جزا کا زادراہ جمع کر لیا ہے؟ اور کیا آپ دنیا سے متنفر ہو چکے ہیں؟ اور کیا آپ خدا کی حمد وثناء میں مصروف رہتے ہیں؟

اے بدبخت! نفس کی تمام مذموم صفات تجھ میں پائی جاتی ہیں اور دعا میں جن صفات کا تقاضا کیا گیا ہے ان میں سے آپ کے اندر تو ایک بھی صفت موجود نہیں ہے۔ آپ کی یہ حالت زار اس حقیقت کی ترجمان ہے کہ آپ کے وجود کی باگ ڈور ظالم کے قبضہ میں ہے۔ کم از کم ہمیں یہ تو سوچنا چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو دھوکا نہ دیں جبکہ اللہ اور ملائکہ کو حیلہ اور مزاح سے دھوکا دینا ممکن نہیں ہے بلکہ ہمیں ہر صورت سچا مُنصف بننا چاہیے۔

جی ہاں! آج کی گفتگو اس ظالم کے متعلق ہے جس نے آپ کی باگ ڈور سنبھالی ہوئی ہے۔ کیا یہ ظالم آپ کو یہ موقع دیتا ہے کہ آپ ان سفروں کے متعلق سوچیں جو کہ ابھی آپ کو درپیش ہیں جبکہ آپ کو بہت سے سفر کرنے ہیں۔

پہلا سفر وہ ہے جب اس جہان میں آپ کی آنکھیں بند ہوں گی پھر آخرت میں کہیں جا کر کھلیں گی۔

ہمارے سامنے اس جہان سے قبر کے جہان کا سفر ہے۔ قبر سے عالم برزخ کا سفر ہے اور برزخ سے عالم حشر کا سفر درپیش ہے۔

پھر حشر سے نامہ اعمال کھولے جانے کا سفر ہے۔

پھر مؤقف سے حساب کا سفر ہے۔

پھر حساب سے میزان کا سفر ہے۔

پھر میزان سے صراط کا سفر ہے۔

پھر صراط سے جنت یا دوزخ کا سفر ہے۔

اور وہاں پہنچ کر سفر کے مراحل طے ہو جائیں گے۔

مجھے معلوم نہیں ہے کہ ہمارے سفر کا اختتام کہاں ہوگا؟ خدارا غور کریں، کیا اس نفسِ امّارہ نے کبھی آپ کو یہ سوچنے کی فرصت بھی دی ہے کہ اس سفر کے لیے زاد راہ بھی تلاش کرنا ہے۔

اے برادرانِ ایمانی!

کبھی آپ نے سوچا ہے کہ اس طویل سفر میں آپ کا زادِ راہ کیا ہوگا اور آپ کا ہم سفر کون ہوگا؟ اور آپ نے کس راستے پر چلنا ہے؟

پہلا سفر تمام سفروں سے زیادہ آسان ہے۔ اس سفر میں ہم ایک اور جہان کی طرف سفر کرتے ہیں اور یہ سفر حالت احتضار میں ہمیں طے کرنا ہے۔

اس سفر کی منزل پر بھی توجہ کریں کہ کیا یہ راستہ ہمیں اللہ کی رحمت کی طرف لے جارہا ہے یا اس کے غضب کی طرف لے کر جاتا ہے؟

خدا کی پناہ میں تو اپنے بارے میں سوچتا ہوں کہ کہیں یہ راستہ مجھے اللہ کے غضب کی منزل پر نہ لے جائے۔

خبردار! لوگوں کی تعریف و توصیف پر قناعت نہ کریں۔ کیا لوگوں کی تعریف آپ کو رحمت پروردگار کی منزل پر پہنچا سکتی ہے؟ عین ممکن ہے کہ لوگ مرنے کے بعد جس کی تعریف کررہے ہوں، وہ خدا کے ہاں مغضوب اور لعنت کا حقدار ہو!

کیا کبھی پ نے اس بات پر توجہ کی ہے؟

یہ نفسِ امّارہ اتنا خبیث ہے کہ یہ آپ کو اُمورِ آخرت کے لیے غمگین نہیں ہونے دیتا۔ اگر آپ نفسِ امّارہ کے جال میں پھنس کر آخرت کے معاملات کے لیے غمگین نہیں ہو سکتے تو کم ازکم اتنا تو سوچ لیں کہ جب اللہ کا نمائندہ آپ کی روح قبض کرنے کے لیے آئے گا تو وہ کس شکل وصورت میں آئے گا۔

حاضرین محترم!

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ملک الموت اہل ایمان کے پاس ایسی خوبصورت شکل وصورت میں جاتا ہے کہ اس کا دیدار تمام نعمات میں سے بڑی نعمت دکھائی دیتا ہے اور نافرمان افراد کے پاس ایسی ڈراؤنی اور ہیبت ناک صورت میں جاتا ہے کہ اگر انھیں بالفرض اور عذاب نہ بھی دیا جائے تو ان کے لیے یہی عذاب ہی کافی ہوگا۔

میں اپنے متعلق نہیں جانتا کہ ملائکہ کا کون سا گروہ میری موت کے وقت قبض روح کے لیے آئے گا۔ کیا میری روح عذاب کے فرشتے قبض کریں گے یا رحمت کے فرشتے آئیں گے۔

اس سفر کی پہلی ہولناک منزل قبر کی منزل ہے اور وہ سب سے کم ہولناک منزل ہے مگر مجھے معلوم نہیں ہے کہ وہاں پر مجھ سے کیا سلوک کیا جائے گا؟

کیا آپ نے یہ روایت نہیں پڑھی کہ رسولِ اکرمؐ کی رحلت سے ایک سال قبل جب اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (الزمر:۳۰) کی آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے گریہ کیا تھا۔ صحابہ نے کہا یا رسولؐ اللہ! آپؐ پر تو اللہ راضی ہے پھر آپؐ موت سے کیوں خوفزدہ ہیں۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام بھی موت کا ذکر سن کر روتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا: آپؑ کو رونے کی کیا پڑی ہے آپؑ تو سبط رسولؐ ہیں، آپؑ نے تین بار اپنا پورا گھر خدا کی راہ میں لٹایا ہے اور آپؑ نے کئی بار پیادہ چل کر حج کیے ہیں؟

آپؑ نے جواب میں فرمایا تھا: میں راستے کی خوفناکی سے پریشان ہوں کیونکہ مجھے اس راستے پر چلنے کا پہلے سے کوئی تجربہ نہیں ہے۔

جی ہاں، بھائیو!

اس منزل کا صدمہ چہروں کی رونق ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ ہم سے کیا سلوک کیا جائے گا؟ آپ حضرات نے رسول خداؐ کے مشہور صحابی سعد بن معاذ کا واقعہ بھی سنا ہوگا۔ جنگ خندق کے وقت یہودیوں نے انھیں تیر مارا تھا جس کی وجہ سے وہ زخمی ہوئے تھے۔ کافی علاج ہوا مگر وہ جانبر نہیں ہو سکے اور وہ شہید ہو گئے تھے۔ رسول خداؐ نے ننگے پاؤں ان کے جنازہ کی مشایعت کی تھی۔ پھر آنحضرتؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی تھی اور فرمایا تھا کہ اس کے جنازہ میں ملائکہ نے بھی مشایعت کی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جسد خاکی کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا تھا اور اس کی قبر میں مٹی ڈالی تھی اور جب آپؐ کھڑے ہوئے تو اسے فشار قبر ہوا تو صحابہ

نے پوچھا: اسے فشارِ قبر کیوں ہوا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: وہ اپنے افراد خانہ سے بداخلاقی سے پیش آتا تھا۔

جب نبی اکرمؐ کے ایک صحابی کے ساتھ یہ سلوک ہوا تو نہ جانے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا لیکن اس بدبخت نے ہمیں اس منزل کے لیے سوچنے تک کی بھی فرصت نہیں دی۔

شہزادی صدیقہ کبریٰ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے قبر کی منزل کے لیے بھرپور تیاری کی تھی۔ جب آپؑ کی وفات کا وقت آیا تو آپؑ نے امیرالمومنینؑ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی شیشی دی اور عرض کیا: جب آپؑ مجھے قبر میں اتاریں تو اس شیشی کو میرے پہلو میں رکھ دیں۔

امیرالمومنینؑ نے پوچھا: اس شیشی میں کیا ہے؟

جنابِ سیّدہؑ نے کہا: اس میں میرے وہ آنسو ہیں جو مَیں نے اپنی خلوت کے لمحات میں خوفِ خدا میں بہائے ہیں۔ میرے والدؐ فرمایا کرتے تھے کہ آخرت میں ایسی گھاٹی ہے جسے صرف وہی لوگ عبور کریں گے جو خود اللہ کے خوف میں روتے ہوں گے۔

جنابِ سیّدہؑ نے اپنے شوہر سے دوسری بات یہ فرمائی کہ مجھے قبر میں اتار کر جلد واپس نہ آنا بلکہ کچھ دیر میری قبر پر ٹھہرنا۔

معزز سامعین! میں اس موضوع کو مختصر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ مقامات آپ حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ کو اس بات پر بھی تعجب لاحق ہوسکتا ہے کہ بی بیؑ نے اپنے اشکوں کے لیے شیشی کیوں رکھی تھی؟

عزیز بھائیو! اگر آپ زیادہ نہیں رو سکتے تو کم از کم خوفِ خدا میں دو قطرے تو بہائیں۔ ہم اس موضوع کو چھوڑتے ہیں۔ کسی اور وقت اس کی تکمیل کریں گے۔

فی الحال ہمیں صرف یہی کہنا ہے کہ ہمارا نفسِ امّارہ ظالم اور بدبخت ہے۔ یہ کسی کو عمل کی اجازت ہی نہیں دیتا۔

سب سے پہلے تو میں اپنی حالت پر گفتگو کروں گا کہ گہرے تدبر اور تفکر کے بعد میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس ظالم نے میرے پلّے کسی عمل چیز کو نہیں چھوڑا۔

سامعین گرامی قدر!

جب عقائد حقہ کی بات ہوتی ہے تو یہ دوسرے طریقوں سے میرے پاس آتا ہے اور مختلف وسوسے پیدا کرتا ہے۔ اسی حالت میں کیا نتیجہ برآمند ہوگا؟ اور میرا انجام کیا ہوگا؟ اور جب عمل کی باری آتی ہے تو یہی نفسِ امّارہ اس میں ریاکاری کو شامل کر دیتا ہے اور اگر عمل میں ریاکاری کا عنصر شامل نہ ہو تو پھر خود پسندی کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔ نفس امّارہ دل میں حُبِ دنیا پیدا کر کے قابل احترام عالم کو تباہ کر دیتا ہے اور جب کسی عالم میں حُبِ دنیا پیدا ہو جائے تو خدا انھیں اپنے دین کا راہزن قرار دیتا ہے۔

یہی نفسِ امّارہ واعظوں کے وعظ کو تعریف و توصیف کے کلمات سے تباہ کرتا ہے اور جب کوئی واعظ اپنی تعریف سننے کا عادی ہو جائے تو اس کے مواعظ ضائع ہو جاتے ہیں۔

اور جب میں اپنی حالتِ زار پر غور کرتا ہوں تو مجھے دکھائی دیتا ہے کہ اس نفسِ امّارہ نے میری ہر چیز کو ضائع کر دیا ہے اور میرا ہاتھ ہر طرف سے عاجز ہے۔ آپ حضرات کو چاہیے کہ آپ بھی اپنا محاسبہ کریں۔

اس تمام تر بدحالی کے باوجود میرے پاس اُمید کی ایک کرن پھر بھی موجود ہے اور مجھے غرور نہیں ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ بدبخت غرور کو پا کر میری تمام اُمیدوں پر پانی پھیر دے گا۔

اب سنیئے!

میری اُمید سیّدالشہداءؑ ہیں۔ آپؑ ہی میری اُمید ہیں اور متعدد جہات کی وجہ سے میری تمام اُمیدیں آپؑ ہی سے وابستہ ہیں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اعمال کی قبولیت اور ان پر ثواب کا ملنا قابلیت اور استعداد پر مبنی ہے۔

کوئی بھی عمل قابلیت اور استعداد کے بغیر مفید نہیں ہوتا۔ ہر عمل کی قبولیت چند شرائط پر مبنی ہوتی ہے۔ مثلاً سکنجبین کے شربت کے بعد اگر آپ ''ہریسہ'' کھائیں گے تو شربت کا اثر زائل ہو جائے گا اور اب یہ شربت صفراء کو دور کرنے کی صلاحت کھو دے گا بلکہ الٹا اثر دکھائے گا۔

اگر آپ یہ مثال سمجھ چکے ہیں تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ اگرچہ امام علیہ السلام مظلوم پر گریہ کرنے اور ان کی زیارت کے ثواب کو حاصل کرنے کی مجھ میں قابلیت نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود میں جو اُمید وابستہ رکھتا ہوں وہ بڑی مؤثر ہے اور اگر بالفرض اس کی مکمل تاثیر مجھے حاصل نہ ہو سکے تو اس کی تاثیر کی تھوڑی سی مقدار بھی میرے لیے کافی ہے۔

عزادارو!

احادیث میں حضرت سیّدالشہداءؑ کی زیارت کا ثواب اس حد تک بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن زائر حسینؑ سے کہا جائے گا کہ تو یقیناً ناجی ہے۔ تجھے دس سے لے کر سو افراد کی شفاعت کا حق دیا جاتا ہے اور تیری شفاعت قبول کی جائے گی۔

حدیث میں اس سے بھی بلند درجہ بیان ہوا ہے کہ زائرِ حسینؑ سے کہا جائے گا کہ تو جس کا چاہے ہاتھ پکڑ کر اسے جنت میں بھیج دے لیکن مجھ میں یہ صلاحیت نہیں ہے۔ مجھ جیسا گناہگار اور بدبخت انسان اس خطاب کا مستحق کیسے ہوسکتا ہے؟

البتہ! میں یہ اُمید ضرور رکھتا ہوں کہ جب میرے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کے ساتوں دروازے کھل گئے ہوں گے تو اس وقت میں امام حسین علیہ السلام پر گریہ اور ان کی زیارت سے تمسک کروں گا تو خدا مجھے دوزخ میں جانے سے بچا لے گا۔

میرے لیے تو اتنا ہی مقام کافی ہے اور میں اسی پر قانع ہوں۔ ثوابِ زیارت اتنا زیادہ ہے کہ احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن زائر سے یہ کہا جائے گا کہ تُو بھی ساقیانِ کوثر میں شامل ہو جا اور دوسروں کو کوثر سے سیراب کر۔

لیکن مجھ میں یہ قابلیت کہاں؟ خدا کی قسم! ہرگز میں اس مقام کے لائق نہیں ہوں۔ زیارتِ حسینؑ سے میں یہی اُمید رکھتا ہوں کہ مولا مظلومؑ مجھے اپنے ہاتھ سے کوثر پلا دیں گے، جس کے بعد مجھے پیاس محسوس نہیں ہوگی۔

قیامت کے دن ایک مقام ایسا بھی آئے گا جب انسان پیاس پر بھی قناعت کرے گا۔ کچھ گناہگار ایسے بھی ہوں گے جو اس آیت مجیدہ کے مصداق ہوں گے۔

وَاِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُهۡلِ (سورۂ کہف:۲۹)

”اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اسی تانبہ کی طرح سے گرم پانی سے کی جائے گی“۔

جب وہ پانی مانگیں گے تو اُبلتا ہوا سیسہ انھیں پلایا جائے گا۔ میں ایسے پانی کی بجائے پیاسا رہنے میں اپنی عافیت سمجھوں گا۔

زیارت کے ثواب میں یہاں تک الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ کچھ زائرین حسینؑ کا درجہ اتنا بلند ہو گا کہ انھیں رسولِؐ خدا کے دسترخوان پر بٹھایا جائے گا اور وہ اس دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔

مجھ جیسا گناہ گار اس مقام کے لائق نہیں ہے۔ میری تو بس اتنی سی خواہش ہے

کہ مجھے دوزخ کی خوراک زقوم سے خدا بچا لے۔

حضرت سیّدالشہداءؑ سے اُمیدوں کی بہت سی جہات میں میری تو بس یہی جہت ہے۔ ایسے مقامات حاصل کرنے کے لیے ایمانی قوت کی ضرورت ہے جبکہ ہم اس مقام کے لائق نہیں ہیں بلکہ ہمارے لیے تو قلیل سے فوائد بھی کافی ہیں۔

محترم سامعین!

مَیں نے کل کی مجلس میں عرض کیا تھا کہ حضرت سیّدالشہداءؑ عالمِ حقیقت میں صحرائے نجف سے گزرے تھے اور آپؑ نے نصرت طلب کی تھی اور آپ سے بھی انھوں نے مدد طلب کی تھی۔ تم ان کی مدد کے لیے ان شاء اللہ آ چکے ہو۔

جی ہاں! مصائبِ امامؑ کا اندازہ لگائیں کہ سیّدالشہداءؑ نجف اشرف سے صرف ایک فرسخ کے فاصلے پر گزرتے ہیں لیکن عالم ظاہر میں اپنے والد ماجدؑ کی قبر کی زیارت کے لیے نہیں جاتے بلکہ فوجِ اشقیاء آپؑ کو جانے کی اجازت بھی نہیں دیتی اور آپؑ مصلحت امامت کے تحت خود بھی والد ماجدؑ کی قبر پر نہیں جانا چاہتے کیونکہ اس وقت تک امیرالمومنینؑ کی قبر مخفی تھی۔ بنی امیہ کی حکومت کے ایام میں آپؑ کی قبر کا مخفی رہنا ہی درست تھا۔ اسی لیے امیرالمومنین علیہ السلام کو ان کی اولاد نے رات کے وقت دفن کیا اور قبر کا نشان مٹا دیا تھا۔

آپؑ کی قبر کا علم بنی عباس کے دورِ حکومت میں ہوا۔ اسی لیے امام حسین علیہ السلام نے اس سفر میں والد کی قبر مطہر کا رخ نہیں کیا۔ فرض کریں اگر امیرالمومنین علیہ السلام کی قبر ظاہر بھی ہوتی تو کیا فوجِ اشقیاء آپؑ کو والد کی قبر پر جانے کی اجازت دیتی؟

جی ہاں! امام حسین علیہ السلام کی نصرت طلبی کی صدا آپ کے دلوں کے کانوں تک پہنچی تھی اور آپ حضرات ان کی پیروی کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔

کل دو محرم کو عصر کے وقت امامؑ کربلا میں داخل ہوئے۔ آپ نے اس سرزمین

کا نام پوچھا تو بتایا گیا کہ اسے ''کربلا'' کہا جاتا ہے تو آپؑ نے فرمایا:

هٰذَا مُوْضِعُ كَرْبٍ وَّ بَلَاءٍ هَاهُنَا مَنَاخُ رَكَابِنَا وَمَحَطُّ رِحَالِنَا وَمَقْتَلُ رِجَالِنَا وَمَسْفِكُ دِمَائِنَا ط

''یہ کرب و بلا کی جگہ ہے۔ یہاں ہماری سواریاں بٹھائی جائیں گی۔ یہاں ہمارے مرد قتل ہوں گے اور یہیں ہمارے خون بہیں گے''۔

آپؑ کی بہن جنابِ اُم کلثومؑ نے آپؑ سے کہا: بھائی جان! یہ خوفناک زمین ہے یہاں دل مضطرب ہو رہا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب میں اپنے والدؑ کے ساتھ صفین جا رہا تھا تو ہم اس زمین پر آئے تھے۔ ہم سواریوں سے اُترے اور کچھ دیر تک والد ماجدؑ میرے بھائیؑ کے ساتھ سوئے پھر بیدار ہوئے اور رونے لگے۔ میرے بھائیؑ نے رونے کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں سویا تھا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ اس صحرا میں خون کا سمندر موجزن ہے اور میرا بیٹا حسینؑ اس خون کے سمندر میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور اس کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

پھر والد ماجدؑ نے مجھ سے فرمایا:

ابوعبداللہؑ! جب یہ واقعہ ہوگا تو اس وقت تمھاری کیا حالت ہوگی؟

مَیں نے عرض کیا تھا: کہ میں صبر کروں گا۔

تین محرم الحرام کے مختصر واقعات

آج ماہِ محرم کی تین تاریخ ہے۔

آج یہاں کربلا کا مالک ''کربلائی'' بن چکا ہے۔

یہ وہ کربلائی ہے جس نے مدینہ میں کہا تھا کہ میں اس مقام پر جا رہا ہوں

جہاں مجھے دفن ہونا ہے۔

معلوم ہوا کہ امامؑ کربلا دفن ہونے کے لیے آئے۔ اس سے آپؑ اس حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر احوال دینا آسان ہوں تو پھر ان میں کوئی بھی خیر و برکت نہیں ہوتی۔

آج وہ چلے گئے اور ہم عالم معنیٰ میں چلے۔

اب اس نئی منزل پر میں امام حسین علیہ السلام سے عرض کروں تو کیا عرض کروں۔ یہاں پر میرا دماغ فیصلہ کرنے سے قاصر ہے۔

کیا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مولا! آپؑ کو نئی منزل مبارک ہو! میں یہ نہیں کہہ سکتا۔

اب آپ تصور کے عالم میں وہاں پہنچ چکے ہیں اور ویران صحرا کی حالت کا تصور کریں۔ امامؑ کے ساتھ دو سو یا تین سو افراد تھے۔ ان میں مرد، خواتین، معصوم بچے اور آپؑ کے اصحاب شامل تھے اور ان کے مقابلہ میں ایک بڑا لشکر موجود تھا جس کی وسعت لحہ بہ لحہ بڑھ رہی تھی۔

اگر آپ وہاں ہوتے تو آپ وہاں تین واقعات دیکھتے۔

مجھے معلوم نہیں ہے کہ میں یہ واقعات بیان بھی کر سکوں گا یا نہیں!

ان میں سے ایک یہ ہے کہ امامؑ نے خیمہ نصب کیا۔

اس میں اپنے تمام اصحاب کو جمع کیا۔ اس میں اپنے خاندان کے افراد کو شامل نہیں کیا تھا اور اس میں یہ مصلحت تھی کہ آپؑ اپنے اصحاب کی وفا کا اندازہ کرنا چاہتے تھے اور آپؑ کی خواہش تھی کہ ان پر حجت تمام کی جائے اور ان سے نئے سرے سے بیعت لی جائے کیونکہ یہ جہاد دو بیعتوں کا متقاضی تھا۔ اس میں عمومی بیعت کے ساتھ مخصوص بیعت کی بھی ضرورت تھی۔

آپؑ نے فرمایا: ''میرے اصحاب! جان لو کہ دنیا نے پشت پھیر لی ہے۔ اگر

تم نے کسی فتح کی اُمید میں میرا ساتھ دیا ہے تو معاملہ ایسا نہیں ہے یہاں تو صرف قتل ہونا ہی ہے۔ میں کسی کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا جو ہمارے ساتھ فتح اور مال کی لالچ میں آیا ہو تو مَیں نے اس کی گردن سے اپنی بیعت اٹھالی ہے......''

اب دیکھئے کہ وہ کس طرح کے اصحاب تھے۔ آپ ان اصحاب کی وفاؤں کا اندازہ کریں۔

یہ سنا تو سارے جواب کے لیے کھڑے ہوئے۔ حضرت زہیرؓ، جو کہ ابھی ابھی راہِ ہدایت پر آئے تھے، کہا جاتا ہے کہ زہیرؓ بچے تھے اور بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ رسولِ اکرمؐ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپؐ نے اسے زمین سے اٹھایا، بوسے دیئے اور شفقت فرمائی۔

رسولِؐ خدا سے پوچھا گیا کہ یہ کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا: یہ وہ بچہ ہے جسے حسینؑ سے بہت زیادہ محبت ہے۔ مَیں نے ایک دن اسے حسینؑ کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا تو یہ حسینؑ کے قدموں کی خاک اٹھا کر اسے بوسے دیتا تھا۔ مجھے جبریلؑ نے خبر دی ہے کہ یہ عنقریب کربلا میں حسینؑ کی مدد کرے گا۔

جی ہاں!...... زہیرؓ اٹھے اور عرض کیا: ''فرزند رسولؐ! دنیا آپؑ سے بدل چکی ہے؟ اگر دنیا ہمیشہ رہنے والی چیز ہوتی اور اگر ہم نے بھی اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہوتا تو پھر بھی ہم آپؑ کے ساتھ کھڑا ہونے کو بیٹھے رہنے پر ترجیح دیتے''۔

بریرؓ نے عرض کیا: فرزند رسولؐ! میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ کیا آپؑ ہمارے بارے میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم پر آپؑ کے لیے جان قربان کرنا شاق ہے؟ خدا کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ میں قتل کیا جاؤں پھر اٹھایا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں یہاں تک ایک ہزار بار بھی مجھے قتل ہونا پڑے اور اس کے بدلہ میں آپؑ اور آپؑ کے خاندان کی جانیں بچ

جائیں تو بھی میں ایسا کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔

عزادارو!

محمد بن بشر حضرمی کی حالت یہ تھی کہ اسے اطلاع ملی کہ اس کا بیٹا سرحدی علاقہ میں کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو چکا ہے۔ امامؑ نے اسے کچھ چادریں اور کپڑے دیئے جن کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اور فرمایا کہ یہ لے لو اور یہاں سے چلے جاؤ اور اپنے بیٹے کو آزاد کرانے کی کوشش کرو۔

لیکن محمد بن بشر حضرمی نے عرض کیا:

''کیا میں اپنے بیٹے کو چھڑانے کی کوشش کروں؟ اور آپؑ کو دشمنوں کے ہاتھوں قید ہوتا ہوا دیکھوں؟ اگر میں آپؑ کو چھوڑ دوں تو خدا کرے مجھے درندے کھا جائیں''۔

اس دن پیش آنے والا ایک اور واقعہ

سید مظلومؑ آج کے دن اپنے خیمہ جلال میں تشریف فرما تھے کہ آپؑ کو ایک ایسا تیر لگا جس کی ایک ہزار نوکیں تھیں۔ یہ تیر بارہ فرسخ کے فاصلہ سے آیا تھا اور وہ آپؑ کے دل میں آ کر پیوست ہو گیا۔

بھائیو! آپ سوچتے ہوں گے کہ تیر کی تین یا چار نوکیں ہوتی ہیں یہ ہزار نوکوں والا تیر کہاں سے آ گیا؟

ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ ہم نے آج تک ایسی بات کبھی نہیں سنی بلکہ یہ بات ہم زندگی میں پہلی بار سن رہے ہیں تو سنیے اس کلام کا ایک مفہوم ہے۔

وہ تیر بارہ فرسخ کے فاصلے سے آیا تھا اور اس میں ایک ہزار نوکیں تھیں۔ وہ تیر کیا تھا؟

وہ تیر وہ خط تھا جسے ابن زیاد لعین نے امامؑ کے نام تحریر کیا تھا اور اس کا قاصد

وہ خط لے کر امامؑ کے پاس آیا تھا۔

قاصد نے وہ خط امامؑ کے حوالے کیا۔ اس میں امامؑ پر سلام موجود نہ تھا۔

امامؑ نے خط کھولا۔ وہ ابن مرجانہ کی طرف سے تھا۔

دنیا تجھ پر افسوس، تیری عزت پر بھی افسوس۔

دنیا سے دھوکا کھا کر انسان اس مقام تک بھی جا پہنچتا ہے کہ اس ملعون شقی نے حجت خدا کو یہ لکھا:

امابعد! مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپؑ کربلا میں آ چکے ہیں اور امیرالمومنین یزیدؑ نے مجھے لکھا ہے کہ میں اس وقت تک تکیہ کا سہارا نہ لوں اور کھانا سیر ہو کر نہ کھاؤں جب تک تجھے لطیف وخبیر خدا کے دربار میں نہ بھیجوں البتہ اگر جان بچانی ہے تو پھر میرے اور یزید بن معاویہ کے فرمان پر عمل کرنا ہوگا۔

دوستو! یہ خط نہ تھا یہ ایک ہزار نوکوں والا تیر تھا جو امامؑ کے دل میں پیوست ہوا۔ آپؑ نے خط پھینک دیا۔ قاصد نے جواب کا مطالبہ کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ اس پر عذاب خداوندی کا فرمان واقع ہو چکا ہے۔

عزادارانِ امامؑ مظلوم!

ایک اور تیر جو کہ تمام تیروں سے زیادہ سخت ہے۔ کچھ جاہل یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جو لائحہ عمل دوسرے آئمہؑ نے اختیار کیا تھا، اگر امام حسین علیہ السلام بھی وہی لائحہ عمل اختیار کرتے تو اس سے انھیں کیا نقصان ہوتا؟ اس سے آپؑ خود بھی سلامت رہتے اور آپؑ کے اصحاب بھی سلامت رہتے۔

اس کے جواب میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس میں مفاسد کلیہ پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ امام علیہ السلام تقدیر خدا پر راضی نہ تھے! یہ اعتراض کرنے والے چاہتے ہیں کہ امامؑ کو یہ چاہیے تھا کہ وہ بنی اُمیہ کے احکام کے غلام بن جاتے۔

اس طرح کے اعتراضات کے بجائے امام حسین علیہ السلام کے حضور یہ کہنا مناسب ہے: میرے آقاؑ ابوعبداللہ! ابن مرجانہ کے خط سے آپؑ کے دل میں ایسا تیر پیوست ہوا جس کی ہزار نوکیں تھیں اور وہ آپؑ کے دل سے نہیں نکل سکا اور آپؑ کو اس سے دُکھ پہنچا۔ آپؑ نے لعین کے خط کو زمین پر پھینک دیا اور اس کا جواب لکھنا پسند نہیں کیا۔ آپؑ کے سامنے زندگی اور موت برابر تھی۔ میں نہیں جانتا کہ اس وقت آپؑ کی کیفیت کیا ہو گی جب لعین آپؑ کا سر مبارک اس ملعون کے دربار میں لے کر گئے تھے اور وہ ملعون کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے آپؑ کے سرِ اقدس کو زمین پر رکھا اور اس لعین کے ہاتھ میں چھڑی تھی لیکن اس نے جو ظلم کیا تھا میں اسے بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ اگر مَیں نے اس ظلم کا ذکر کیا تو میرے سامعین کی کیا حالت ہو جائے گی۔

جب اس لعین نے اس مقدس سر کو دیکھا تو ہنس کر یہ کہنے لگا:

''خدا کی حمد ہے جس نے تمہیں رُسوا کیا!''

اس کے منہ میں خاک ہو۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ○

چوتھی مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نفسِ امّارہ بڑا ظالم ہے

سامعین گرامی قدر!

میری آج کی گفتگو بھی اسی حوالے سے ہے جس کے متعلق مَیں نے کل گفتگو کی تھی۔ مَیں نے کل کے خطاب میں یہ کہا تھا کہ نفسِ امّارہ بڑا ظالم ہے اور وہ ہمارے اجسام اور اذہان پر مسلط ہے۔

میں نہیں جانتا کہ وہ ہمیں کہاں لے جائے گا اور ہمارا انجام کیا ہوگا۔

سوچیے ہم کب تک اس ظالم کے شکنجہ میں گرفتار رہیں گے اور کب تک ہم دعاؤں کی قبولیت سے محروم رہیں گے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجۡعَلۡ مُصِیۡبَتَنَا فِیۡ دِیۡنِنَا

آپ کے وجود کی باگ ڈور دن رات اسی ظالم کے ہاتھ میں ہے اور اس نے اب تک آپ کے ساتھ جو برائیاں کی ہیں اس کے باوجود آپ پھر بھی بیدار نہیں ہوئے اور پہلے دن سے لے کر ابھی تک آپ اس کے ہاتھوں گرفتار ہیں۔

آپ کیا چاہتے ہیں کہ مرتے دم تک آپ کی باگ ڈور اسی ظالم کے ہاتھ میں رہے۔

آدھی شب کا وقت ہوتا تو حبیبِؐ خدا بستر چھوڑ دیتے اور اپنی جبین مبارک زمین پر رکھ کر اتنا روتے کہ زمین تر ہو جاتی تھی۔

جنابِ ام المومنین ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ اس وقت آپؑ کی سب سے بڑی دعا یہ ہوتی تھی:

''خدایا! ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا''۔

آپ نے رسولِ اکرمؐ کی دعا سن لی ہے۔ جب کہ ہم اور آپ روزِ اول سے روزِ وفات تک ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی قید سے آزاد نہیں ہوئے۔

اے نوجوان ساتھیو!

نفسِ امّارہ نے آپ سے بہت کچھ چھین لیا ہے۔ خدا جانے بڑھاپے تک یہ آپ پر اسی طرح سے مسلط رہے گا۔

آپ کی زندگانی کی بہاریوں ہی رائیگاں چلی گئی اور ادھیڑ پن بھی ناکامی میں بسر ہوا۔ آپ نے اللہ کے لیے نہ تو جوانی کو قربان کیا اور نہ ہی ادھیڑ پن کی قربانی دی۔ تو کیا آپ کو حالت احتضار کا انتظار ہے؟

معزز حاضرین!

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عابد زاہد شخص دنیا سے رخصت ہو رہا تھا اور اس کے افراد خانہ اس کے گرد کھڑے رو رہے تھے۔ رونے والے اپنے اپنے مفادات کے ضیاع کو رو رہے تھے کیونکہ مرنے والا ان سب کا خادم، قلی اور ان کے لیے محنت کرنے والا تھا۔ اب وہ دنیا سے جا رہا تھا تو ہر شخص کو اپنے مفادات یاد آتے اور رونے لگتے تھے۔

مرنے والا عابد بھی ان کے رونے کی وجہ سمجھ گیا اور اس نے بیوی سے پوچھا:
تُو کیوں رو رہی ہے؟

بیوی نے کہا: میں اس لیے روتی ہوں کہ آپ کے بعد میں بیوہ ہو جاؤں گی اور میری دنیاوی ضروریات کون پوری کرے گا؟

اس نے بیٹی سے پوچھا: تم کیوں رو رہی ہو؟

بیٹی نے جواب دیا: آپ ہمارے کفیل ہیں، آپ کے بعد ہماری روزی روٹی کا کیا بنے گا؟

پھر اس نے بھائی سے پوچھا: آپ کیوں روتے ہیں؟

جواب ملا: آپ میری کمر کا زور تھے، آپ کے بعد میں اکیلا ہو جاؤں گا وغیرہ......

عابد نے جب حقیقت کو جان لیا تو چیخ کر کہا: تم سب کے سب میرے پاس سے اُٹھ کر چلے جاؤ اور مجھے میرے حال پر رہنے دو۔ تم میں سے کوئی بھی شخص مجھ پر نہیں رو رہا بلکہ تم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے مفادات کی پڑی ہوئی ہے۔ تم میں سے کسی کو بھی میری فکر نہیں ہے کہ تو اس جہان کو چھوڑ کر دوسرے جہان میں منتقل ہو رہا ہے، نجانے وہاں تجھ پر کیا گزرے گی۔

جی ہاں! ان رونے والوں میں حضرت ابوذر غفاری کی طرح کوئی حقیقت پسند نہیں تھا۔

روایات بیان کرتی ہیں کہ ان کا ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام ''ذر'' تھا'' ذر کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوذر ان کی قبر پر آئے اور فرمایا:

''فرزند! میں تجھ سے راضی ہوں۔ خدا تم سے راضی رہے۔ مجھے تیری وفات کا کوئی غم نہیں ہے البتہ اس لیے غمگین ہوں کہ نجانے برزخ میں تیری کیسے گزر رہی ہے اور ملائکہ آپ سے کیا پوچھ رہے ہیں اور وہ آپ سے کیا سلوک کرنے والے ہیں''۔

جی ہاں! اس وقت اس عابد نے کہا کہ تم چلے جاؤ اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ میں اپنی ذات پر خود رونا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ ابھی موت کے بعد مجھے کون

سی آواز سننے کو ملے گی۔ کیا ملائکہ مجھ سے یہ کہیں گے:

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (سورۂ حم سجدہ: آیت ۳۰)

''کچھ خوف نہ کرو اور غم نہ کرو''۔

یا اس کے عوض مجھے یہ آواز سنائی دے گی:

لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ (سورۂ فرقان: آیت ۲۲)

''اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشخبری نہیں ہے''۔

محترم بھائیو! ذرا سوچو آپ کی پوری زندگی دنیا کی محبت میں بسر ہوئی ہے۔ آپ اس کے وصال سے ابھی تک نہیں تھکے اور آپ کو موت کے وقت بھی اس سے جدائی ناپسند ہے۔

اب بتایئے کہ آپ کا اللہ سے کیا رابطہ ہے اور خدا کے حضور پہنچنے کا آپ کے پاس کیا راستہ ہے؟

مَیں نے کل عرض کیا تھا کہ یہ عالم آپ کو اپنے معاملات پر توجہ کرنے کی مہلت ہی نہیں دیتا۔ اگر بالفرض آپ اطاعت گزار جماعت کے فرد نہیں ہیں تو کم از کم آپ کو اپنی تقصیر کی معذرت تو کرنا چاہیے تھی۔

دعائے کمیل حضرت علی علیہ السلام سے منقول دعا ہے۔ اس دعا میں آپؑ نے اپنے شیعوں کو مناجات کا سلیقہ بتایا ہے اور بارگاہ الٰہی میں رجوع کا طریقہ سکھایا ہے۔

مولا امیرالمومنینؑ اپنی دعا میں فرماتے ہیں:

وَقَدْ اَتَیْتُكَ یَااِلٰهِیْ بَعْدَ تَقْصِیْرِیْ وَ اِسْرَافِیْ عَلٰی نَفْسِیْ مُعْتَذِرًا نَّادِمًا

''خدایا! میں تیری بارگاہ میں کوتاہی اور نفس پر زیادتی کرنے کے بعد عذرخواہی کرتے ہوئے شرمندہ ہو کر آیا ہوں''۔

خدارا مجھے بتائیں کہ مولاؑ نے آپ کو جو سلیقہ بندگی دیا ہے وہ درست ہے یا نہیں؟

میرے ایمانی بھائیو!

آپ معذرت خواہی میں جھوٹ سے کام نہ لیں کیونکہ جھوٹ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ عظیم وجلیل خدا کی بارگاہ میں جھوٹے حیلے بہانے کام نہیں آئیں گے۔

اس دعا میں امیرالمومنینؑ یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں:

اَتُرَاكَ مُعَذِّبِي بِنَارِكَ بَعْدَ تَوْحِيدِكَ وَبَعْدَ مَا انْطَوٰى عَلَيْهِ قَلْبِيْ مِنْ مَّعْرِفَتِكَ وَلَهِجَ بِهٖ لِسَانِيْ مِنْ ذِكْرِكَ وَاعْتَقَدَهٗ ضَمِيْرِيْ مِنْ حُبِّكَ وَبَعْدَ صِدْقِ اعْتِرَافِيْ وَدُعَائِيْ خَاضِعًا لِّرُبُوْبِيَّتِكَ

''کیا تو مجھ کو اپنی آگ کے عذاب میں گرفتار دیکھے گا جب کہ میں توحید کا اقرار کر چکا ہوں اور میرا دل تیری معرفت سے سرشار ہے اور میری زبان تیرے ذکر سے تروتازہ ہے اور میرا ضمیر تیری محبت کی گرہ باندھے ہوئے ہے۔ میں تیری ربوبیت کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کر چکا ہوں......'' (کیا پھر بھی تُو مجھے عذاب دے گا؟)

اسی دعا کا ایک جملہ یہ ہے:

اَتُسَلِّطُ النَّارَ عَلٰى وُجُوْهٍ خَرَّتْ لِعَظَمَتِكَ سَاجِدَةً وَّعَلٰى اَلْسُنٍ نَّطَقَتْ بِتَوْحِيدِكَ صَادِقَةً

''خدایا! کیا تو ان چیزوں پر آگ مسلط کرے گا جو تیری عظمت کے رُوبرو سجدہ ریز ہو چکے ہیں اور ان زبانوں پر عذاب مسلط

کرے گا جو سچائی کے ساتھ تیری توحید کا اقرار کر چکی ہیں؟''

وَعَلٰى قُلُوْبٍ اعْتَرَفَتْ بِاِلٰهِيَّتِكَ مُحَقِّقَةً

''اور کیا تو ان دلوں پر آگ مسلط کرے گا جو تیرے معبود ہونے کا اعتراف کر چکے ہیں''

سامعین کرام! خدارا! مجھے بتائیں جب آپ دعا کے یہ الفاظ ادا کرتے ہیں تو آپ سچ بول رہے ہوتے ہیں؟

کیا آج تک آپ نے خدا کی عظمت کو پیش نظر رکھ کر کبھی سجدہ کیا ہے؟ اور کیا آپ نے اُسے واقعی ''عظیم'' سمجھا بھی ہے یا اسے اپنے اعمال کا کمزور ترین شاہد قرار دیا ہے اور اطلاع رکھنے والوں میں سے خفیف ترین فرد سمجھا ہے؟

غور فرمائیں! کیا آپ نے کبھی ''لا الہ الا اللّٰہ'' کو حق و صدق سمجھ کر اس کی گواہی بھی دی ہے؟ اور جو اطاعات و عبادات آپ سے رہ گئی ہیں کیا ان کی معذرت آپ سچے دل سے کر رہے ہیں؟

عزیز دوستو!

میں بار بار کہتا ہوں کہ نفسِ امّارہ لوگوں کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے معاملات کے انجام پر غور وفکر کریں...... نفسِ امّارہ اتنا خبیث ہے کہ یہ لوگوں سے کہتا ہے کہ خبردار! خدا سے مت ڈرنا۔

محترم بھائیو!

سچ کہنا جب آپ کے دلوں میں اللہ کی عظمت کا تصور ہی نہیں ہے اور آپ کے نامہ اعمال میں عبادات کا خانہ ہی خالی ہے اور آپ نے سچے دل سے کبھی معذرت بھی نہیں کی ہے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے دل میں خوفِ خدا انگڑائیاں لے رہا ہے؟

مَیں نے کل عرض کیا تھا کہ آپ اپنی پہلی منزل پر غور کریں اور اپنے آپ سے کہیں کہ مجھے عنقریب قبر میں داخل ہونا ہے جب کہ مجھے یہ علم بھی نہیں ہے کہ میری قبر جنت کا باغ یا دوزخ کا گڑھا بنے گی۔

قبریں دو طرح کی ہیں۔ اسی طرح کفن بھی دو طرح کا ہے: ایک کفن جنت کی خلعت ہے اور دوسرا کفن دوزخ کا لباس ہے۔ کچھ تو سوچیں کہ آپ نہیں جانتے کہ دو میں سے آپ کی حالت کیا ہوگی اور دو فرشتوں کے ساتھ آپ کے معاملہ کی کیفیت کیا ہوگی۔ پھر سوچیں کہ منکر و نکیر کے ساتھ آپ کا معاملہ کیا ہوگا اور یہ بھی سوچیں کہ کیا آپ نے ان کے جوابات بھی تیار کر لیے ہیں؟

اور یہ بھی سوچیں کہ وہ آپ کے پاس سے کس حالت میں جدا ہوں گے اور مزید یہ کہ ''فَتَّانِ الْقُبُوْرِ'' ''رُوْمَانَ'' فرشتہ آپ سے کیا سلوک کرے گا اور آپ سے کیا پوچھے گا۔

''رُوْمَانَ'' ایک فرشتہ کا نام ہے جسے ''فَتَّانِ الْقُبُوْرِ'' کہا جاتا ہے۔ صحیفہ سجادیہؑ کی ایک دعا میں امام سجاد علیہ السلام نے اس پر بھی صلوات بھیجی ہے۔ اس فرشتہ کے دو کام ہیں۔ یہ ہر مرنے والے کی قبر پر آتا ہے اور کسی کی قبر کو وسیع کرتا ہے اور کسی کی قبر کو تنگ کرتا ہے۔

جب وہ کسی مومن کی قبر کو وسیع کرتا ہے تو اس کی قبر میں جنت کا ایک دریچہ کھول دیتا ہے جہاں مرنے والا جنت کی خوشبو کو سونگھتا ہے اور وہ بدبخت افراد کی قبر کو تنگ کر دیتا ہے اور قبر میں دوزخ کا ایک دریچہ کھول دیتا ہے، جہاں سے دوزخ کے شعلے قبر میں داخل ہوتے ہیں۔

سامعین محترم!

چند لمحات کے لیے اس تصور کو بھی رہنے دیں۔ ذرا یہ بھی سوچیں کہ جب

آپ کے رشتہ دار اور دوست آپ کا چہرہ قبلہ کی طرف کر کے واپس لوٹیں گے تو خدا جانے اس کے بعد دو فرشتے آپ کا چہرہ قبلہ کی طرف رہنے دیں گے یا نہیں۔

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ آپ کا چہرہ قبلہ سے یہ کہہ کر ہٹا دیں کہ تیرا قبلہ سے کیا تعلق ہے؟

اس کے علاوہ آپ کا واسطہ دو اور فرشتوں سے بھی پڑے گا۔

یہ وہی فرشتے ہیں جو آپ کے دائیں بائیں بیٹھ کر آپ کی نیکیاں اور برائیاں لکھا کرتے تھے۔

یہ وہی ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ

''دائیں بائیں بیٹھے ہوئے ہیں''۔(سورۂ قٓ: آیت ۱۷)

غفلت کے سمندر میں ڈوبے ہوئے لوگو! اگر برائیاں لکھنے والا فرشتہ آپ سے ہر برائی لکھنے کے عوض آدھا روپیہ بھی لیتا تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ آپ نے زندگی میں کتنے گناہ کیے ہیں۔

جب کوئی انسان مرتا ہے تو یہ فرشتے ایک ورق لے کر کہتے ہیں خدایا! تیرا بندہ دنیا سے رخصت ہو گیا ہے اور اگر مرنے والا مومن ہو تو انھیں ندائے قدرت آتی ہے کہ تم دونوں اس کی قبر پر چلے جاؤ اور قیامت تک اس کی نیابت میں نمازیں پڑھتے رہو۔

معزز حاضرین!

آپ نے غور فرمایا! کیا ہمارا یہی حال ہو گا یا ہماری موت کے بعد ہم پر گناہوں کا بوجھ اور وبال لکھا جائے گا۔ کچھ ایسے بدبخت بھی ہیں کہ ان کی موت کے بعد بھی ان کے نامہ اعمال میں برائیاں لکھی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص بدعت ایجاد کرتا

ہے تو جب تک لوگ اس بدعت پر عمل کرتے رہیں گے تو موجد کے نامہ اعمال میں برائیاں ثبت ہوتی رہیں گی۔

اسی طرح سے جو شخص ناحق کسی کا مال غصب کرتا ہے اور مر جاتا ہے جب تک اس کے وارث اس میں تصرف کرتے رہیں گے تب تک اس کے نامہ اعمال میں برائیاں لکھی جاتی رہیں گی۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے:

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَاٰثَارَهُمْ ط

''ہم ان کے آگے روانہ کیے ہوئے افعال اور ان کے آثار کو لکھتے ہیں''۔ (سورۂ یٰس: آیت ۱۲)

مجھے معلوم نہیں ہے کہ ان دو معاملات میں سے مجھ سے کون سا معاملہ روا رکھا جائے گا۔ اسی لیے انسان کو ہمیشہ خوف کرتے رہنا چاہیے۔

میں اس ظالم شقی (نفسِ امّارہ) سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس ایک اور کلام بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ: ۳۵)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس تک وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ''

اس آیت میں لفظ ''لَعَلَّكُمْ'' استعمال ہوا ہے جو کہ ''ترجی'' کے معنیٰ میں ہے یعنی شاید تم کامیابی حاصل کر سکو۔

یہاں اللہ نے ''شاید'' کا لفظ اس لیے لگایا ہے کہ کوئی شخص اپنی عبادت پر مغرور نہ ہو جائے اور اپنی نجات کو حتمی سمجھ کر خوفِ خدا سے بیگانہ نہ ہو جائے۔

میں اس ظالم سے یہ کہتا ہوں کہ ظالم! تُو نے مجھ سے نجات کے تمام وسائل

چھین لیے ہیں، اب حیا کر کم از کم میرے پاس سب سے بڑا وسیلہ تو رہنے دے...... وہ وسیلہ، وسیلہ حسینیہؑ ہے اور میں اس سے توسل کرتا ہوں۔ میرے پاس ان میں سے ایک وسیلہ رہنے دے تا کہ میرا وسیلہ ہو جائے۔

عزادارانِ امامِؑ مظلوم!

آج میں وسائلِ حسینیہؑ گنوانا چاہتا ہوں۔ ان وسائل کی تعداد بہت زیادہ ہے اور میرے بیان سے بھی ان کی تعداد زیادہ ہے، لیکن ان وسائل کے خصوصیات ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ان وسائل میں ''معصیت پروردگار'' شامل نہیں ہے اور نہ ہی ان میں چنگ ورباب شامل ہیں۔

لوگوں پر ہماری یہ باتیں اثر ہی نہیں کرتیں۔ میں یہ باتیں اس لیے کہتا ہوں کہ حجت تمام ہو جائے کیونکہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

اِذَا ظَهَرَتِ الْبِدَعُ فِيْ اُمَّتِيْ فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ

''جب میری امت میں بدعات ظاہر ہو جائیں تو عالم کو چاہیے کہ وہ اپنے علم کو ظاہر کرے جو ایسا نہیں کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی''۔

مولا حسینؑ اپنے مصائب میں منفرد ہیں!

جی ہاں! اگر میں حسینیؑ وسائل شمار کرنا چاہوں اور امام مظلومؑ کی خصوصیات کا تذکرہ کرنا چاہوں تو اس کے لیے بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہے اور انھیں ایک دن میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا ذکر آہستہ آہستہ ہوتا رہے گا۔

آپ کو علم ہونا چاہیے کہ ان میں سے کچھ وسائل تمام آئمہؑ میں مشترک ہیں اور کچھ وسائل ایسے ہیں جو سیّدالشہداءؑ سے مخصوص ہیں۔

ان وسائل میں ''محبت حسینیہ ؑ'' شامل ہے لیکن یہ وسیلہ تمام آئمہ ؑ میں مشترک ہے اور ان میں ''زیارتِ حسین ؑ'' شامل ہے لیکن یہ بھی تمام آئمہ ؑ میں مشترک ہے۔ کچھ وسائل مشترک ہیں اور کچھ وسائل منفرد ہیں۔ان وسائل میں ''پانی پلانا'' شامل ہے اور یہ امام حسین کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ کوئی بھی نبی اور کوئی امام ؑ پیاسا شہید نہیں ہوا۔

عزادارو!

امام حسین علیہ السلام ہی وہ منفرد ذات ہیں جنہیں پیاسا ذبح کیا گیا ہے۔ان وسائل میں ''استغاثہ'' شامل ہے اور یہ بھی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ کوئی بھی امام اور نبی میدان میں قتل نہیں ہوا کہ وہ استغاثہ کرتا۔

امیرالمومنین ؑ محراب میں شہید ہوئے تھے اور باقی آئمہ ؑ کو مختلف مقامات پر شہید کیا گیا۔

امام حسین علیہ السلام کے انفرادی وسائل میں تجہیز و تکفین شامل ہے۔ ہر امام ؑ کو عزت و توقیر کے ساتھ کفن دیا گیا اور دفن کیا گیا۔اگرچہ تجہیز و تکفین کے متعلق ابتداء میں کوتاہی ضرور ہوئی لیکن پھر بھی عزت کے ساتھ ان کی تجہیز و تکفین ہوئی۔

امام علی رضا علیہ السلام کی تجہیز شایان شان طریقہ سے ہوئی۔

مامون الرشید تمام اعیان مملکت کے ساتھ آپ ؑ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوا اور پورے احترام سے آپ ؑ کو دفن کیا گیا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کی بے ادبی کی گئی لیکن بعد میں آپ ؑ کو پورے احترام کے ساتھ کفن دیا گیا اور دفن کیا گیا۔ان آئمہ ؑ میں صرف امام حسین ؑ ہی وہ مظلوم ہیں جن کی تجہیز و تکفین وقار و احترام کے ساتھ نہیں ہوئی۔

آیئے! بے کفن مولا کو کفن پہناؤ۔آپ ؑ کا جنازہ مسلسل تین دنوں تک عریان

حالت میں میدان کربلا میں پڑا رہا۔

عزادارو!

مَیں نے عرض کیا کہ کچھ چیزیں مشترک ہیں۔ اب میں مزید وضاحت سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سیّدالشہداءؑ کی اشیاء مشترک نہیں ہیں۔

مثلاً رسولِ اکرمؐ کی زیارت مستحب ہے اور وہ تمام زیارات سے افضل ہے۔ اسی طرح سے امیرالمومنینؑ کی زیارت بھی افضل ہے لیکن سیّدالشہداءؑ کی زیارت کی کیفیت ایک خصوصی حیثیت رکھتی ہے جس میں ان کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں ہے اور اس کی متعدد جہات ہیں۔

ایک جہت یہ ہے کہ آپ رسولِ اکرمؐ کی زیارت میں یہ جملے پڑھتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَانَبِیَ اللهِ یَاخَاتِمَ النَّبِیِّیْنَ

پھر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور صفات لے کر ان پر سلام پڑھتے ہیں جبکہ سیّدالشہداءؑ کی زیارت کا انداز کچھ اور ہے۔ آپ ان پر سلام پڑھتے ہیں اور ان کے کٹے ہوئے سر پر سلام پڑھتے ہیں، آپ ان کے پامال ہونے والے سینہ پر سلام پڑھتے ہیں، آپ ان کے بدن پر سلام پڑھتے ہیں، آپ ان کے ان محاسن شریفہ پر سلام پڑھتے ہیں جو کہ خون سے رنگین تھے، آپ ان کے اس بدن پر سلام پڑھتے ہیں جس سے لباس تارا گیا تھا۔ آپ ان کے اس سر پر سلام پڑھتے ہیں جسے نوک نیزہ پر بلند کیا گیا اور آپ ان کے خون پر سلام پڑھتے ہیں، اس خون کی بہت سی اقسام ہیں۔

سلام ہو اس خون پر جو زمین پر بہایا گیا۔

سلام ہو اس خون پر جسے کبوتر کے پروں پر لگایا گیا۔

سلام ہو اس خون پر جسے فرشتہ ایک شیشی میں بند کر کے لے گیا۔

سلام ہو آپؑ کے اس خون پر جس سے مظلومہ بہن نے اپنے چہرے کو رنگا۔

سلام ہو اس خون پر جو آپؑ کی ریش کے لیے خضاب بنا۔

حسینؑ کا اربعین منایا جاتا ہے جبکہ کسی دوسرے معصومؑ کا اربعین نہیں منایا جاتا۔

الغرض! ان تمام باتوں میں امامؑ مظلوم منفرد ہیں اور ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یاد رکھیں!

حسینؑ محبت میں بھی منفرد ہیں۔ اگرچہ تمام آئمہؑ کی محبت واجب ہے لیکن حسینؑ کی محبت کی خصوصیات ہیں اور وہ خصوصیات وسائل کی تعداد کے برابر ہیں۔

اور اگر آپ آج کے دن کربلا جائیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ امامؑ استغاثہ کر رہے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ بعض زیارات میں یہ جملہ موجود ہے کہ جب زیارت پر جاؤ تو سات مرتبہ ''لبیک داعی اللّٰہ'' کہو۔

اس کا ایک مقصد ہے امام مظلومؑ کی ایک زیارت ہے جسے زیارت ''مصافقۃ'' کہا جاتا ہے اور لفظ ''مصافقۃ'' کا معنی یہ ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی جائے۔

جب آپ زیارت ''مصافقۃ'' پڑھتے ہیں تو گویا آپ امام مظلومؑ کی بیعت کر رہے ہیں اور زیارت میں سات مرتبہ ''لبیک'' کہنا امامؑ کے ساتھ استغاثوں کا جواب ہے۔

عزادارو!

امام مظلومؑ کا استغاثہ صرف اس دور کے افراد سے مخصوص نہیں تھا بلکہ وہ ہمیں آج بھی استغاثہ دے رہے ہیں اور ہمارا ''لبیک'' کہنا اسی استغاثہ کا جواب ہے۔

امامؑ نے عبیداللہ بن حر جعفی سے یہ کہا تھا کہ تم یہاں سے دُور چلے جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ہمارا استغاثہ سن کر ہماری مدد نہ کرو۔

اب اگر آج آپ ''لبیک'' نہیں کہتے تو آپ بھی اسی عبیداللہ بن حر بدبخت کے مانند قرار پائیں گے۔

سعادت حاصل ہونے یا سعادت کے سلب ہونے کے مسئلہ کا منبع دوسرا ہے۔

شبِ عاشور خیامِ حسینیؑ کا منظر

آپ اوراقِ تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ شبِ عاشور کچھ افراد ابن سعد کے لشکر سے نکل کر امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہوئے اور انھوں نے ابدی نجات پائی تھی۔

آپ اپنے متعلق یہ فکر کریں کہ آپ کا انجام بہتر ہو کیونکہ اعمال کا دارومدار انجام پر ہے۔

اس کے ساتھ ایک بدبخت کا واقعہ بھی سن لیں۔

امیرالمومنینؑ کے اصحاب میں ایک شخص تھا جس کا نام ہرثمہ تھا۔اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ روزِ عاشورا ابن سعد کے لشکر میں شامل تھا۔

ہرثمہ کا بیان ہے کہ ایک سفر میں میں امیرالمومنینؑ کے ساتھ تھا۔آپؑ ایک جگہ آئے جہاں ایک درخت تھا۔آپؑ نے اس جگہ کی مٹی اٹھا کر سونگھی اور فرمایا:

''اے خاک! تجھے مبارک ہو! تجھ سے بہت سی اقوام محشور ہوں گی جو کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گی''۔

یہی وجہ ہے کہ کچھ علماء فرماتے ہیں کہ جو کربلا میں دفن ہو تو اس سے حساب نہیں لیا جاتا۔

پھر کچھ برسوں کے بعد ہرثمہ پر بدبختی سوار ہوئی تو وہ عمر سعد کی فوج میں شامل ہو کر کربلا آیا۔

وہ بیان کرتا ہے کہ روزِ عاشورہ میں گھوڑے پر سوار ہوا تو مجھے وہ درخت

دکھائی دیا تو اس نشانی کی وجہ سے مَیں نے زمین کو پہچان لیا۔

وہ شخص امام مظلومؑ کے پاس آیا اور کہا: ''فرزند رسولؐ! میں آپؑ کے والدؑ کے ساتھ یہاں آیا تھا اور آپؑ کے والدؑ نے یہاں پہنچ کر یہ یہ باتیں کی تھیں۔

امامؑ نے فرمایا: ''ہرثمہ! مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے۔ اب تم بتاؤ کہ ہمارا ساتھ دو گے یا ہماری مخالفت کرو گے؟''

اس بدبخت نے جواب دیا: ''میں صاحب عیال ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں ابن زیاد سے ڈرتا ہوں''۔ پھر اس نے جھوٹے عذر بہانے بیان کیے۔

امامؑ عالی مقام نے اس سے فرمایا:

ان استطعت فلا تمکث فی هذه الارض واذهب لئلا تسمع واعیتنا

''اگر ممکن ہو تو اس سرزمین پر مت ٹھہرو اور کہیں دُور چلے جاؤ تا کہ ہماری آواز استغاثہ نہ سنو''۔

سامعین کرام! امام مظلومؑ کی آواز استغاثہ اب بھی بلند ہے۔ کیا تم اس آواز کو سن رہے ہو۔ حسینؑ تمھارے جواب کے منتظر ہیں۔

مَیں نے کہا کہ آؤ چل کر امامؑ کی حالت ملاحظہ کریں۔

چنانچہ! ہم گئے تو ہمیں دکھائی دیا کہ چند خیمے ہیں جو ویران صحرا میں نصب ہیں۔ ان ایام میں اس طرح کے واقعات بھی ہوئے کہ کچھ لوگ چھپ کر کوفہ سے نکلے اور امامؑ کے لشکر میں آ کر شامل ہوئے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو کوفہ میں ہے اور اسے امامؑ کی آمد کا علم ہو چکا ہے اور وہ آپؑ کی مدد کے لیے نہیں آیا تو ایسا شخص ملعون اور بدبخت ہے اور جس نے

آپؑ سے کسی عذر شرعی کے بغیر تخلّف کیا تو وہ بھی ملعون ہے۔

یہی مسئلہ راوی نے امامؑ سے پوچھا اور اس نے چند افراد کے نام لیے تو۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: نام بیان مت کرو۔

بعض اوقات امامؑ کی نصرت کے لیے ایک یا دو یا تین افراد آتے تھے اس کے برعکس ابن زیاد لشکر پر لشکر بھیج رہا تھا۔کبھی دو ہزار کا لشکر آتا، کبھی تین ہزار اور کہیں چار ہزار کا لشکر آتا اور لشکر دن رات آ رہے تھے۔ انہی ایام میں حصین بن نمیر چند ہزار کا لشکر لے کر آیا۔ یزید بن رکاب کلبی کئی ہزار کا لشکر لے کر آیا۔ اب آپ عالم تخیل میں امامؑ کی حالت کو ملاحظہ فرمائیں۔

عزادارو!

امامؑ نے ایک مجلس عزاء منعقد کی۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اس مجلس میں شامل ہوں لیکن ہم اندر نہیں جا سکتے، اسی لیے ہمیں باہر ٹھہرنا پڑے گا۔کیا آپ نے زیارت جامعہ سنی ہے؟ وہاں اجتماعی گریہ تھا۔

امامؑ خیمہ کے درمیان میں آئے اور آپؑ نے اپنے خاندان کے افراد اور ان کی اولاد کو پکارا۔ آپؑ کی پکار پر سب جمع ہو گئے۔ بظاہر ان کی تعداد چالیس افراد پر مشتمل دکھائی دیتی ہے۔ ان میں سات امامؑ کے بھائی ہیں اور حسن مجتبیٰؑ کی اولاد ہے اور جعفر طیار اور عبداللہ بن جعفر طیار کی اولاد ہے۔

حدیث صحیح میں بیان کیا گیا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے عاشوراء کے متعلق فرمایا:

''اس جیسے دن میں آلِ رسولؐ کے سامنے جنگ واضح ہو چکی تھی۔ ان سے شکوک وشبہات ہٹ چکے تھے اور زمین پر تیس جنازے گرے تھے۔ رسول خداؐ کے لیے ان کا مارا جانا بڑا ہی گراں تھا۔ اگر ان دنوں حبیبِؐ خدا زندہ ہوتے تو آپؐ خود ہی ان کے لیے فرش عزا بچھاتے اور تعزیت لیتے''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ تیس افراد مارے گئے اور پھر دس بچے اور قیدی باقی بچے...... یوں مجموعی تعداد چالیس بنتی ہے۔ ان میں بظاہر حضرت ابوالفضلؑ عمر اور سن میں سب سے بڑے تھے...... کربلا میں آپ کی عمر چونتیس برس کی تھی جبکہ سب سے کمسن علی اصغر تھے۔ امامؑ نے سب کو جمع کیا پھر خواتین کو آنے کا حکم دیا۔ خواتین بھی آ گئیں۔ اس خیمہ میں اہل بیتؑ کے علاوہ اور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

بنیادی طور پر گفتگو صرف دو کلمات پر مشتمل ہے۔

نَظَرَ اِلَیۡهِمۡ...

''امامؑ نے ان کی طرف دیکھا''۔

جب سارے خاندان کے افراد جمع ہو گئے تو آپؑ نے انھیں دیکھنا شروع کیا یعنی آپؑ نے پہلا کلام یہ کیا کہ انھیں دیکھا۔

وَبَکٰی سَاعَةً

''اور کچھ دیر تک روتے رہے''۔

دیکھیے اس وقت اہل بیتؑ کے تمام افراد اس خیمہ میں جمع تھے تو حضرت سیّدالشہداءؑ کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔

کیا اس وقت اہل بیتؑ نہیں روئے ہوں گے؟

جب مرد روئے تو کیا خواتین نہیں روتیں ہوں گی؟

اور جب بچوں نے خواتین کو روتے ہوئے دیکھا ہو گا تو کیا بچے نہیں روئے ہوں گے؟

اس وقت سب کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اسی حالت میں امامؑ نے دو کام کیے اور ان دونوں کاموں کے مقصد کو سمجھیں۔

بھائیو! مجھے کسی مصنوعی قسم کا مرثیہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ان

دو باتوں کا مقصد سمجھیں اور ان باتوں کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ یہی دو باتیں قیامت تک آپ کے غم اور رونے کے لیے کافی ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے ان کی طرف دیکھا۔

سوچیے وہ نظر کیسی ہو گی؟!

وہ نظر ابتداء میں تو حیرت کی نظر تھی یعنی امامؑ خواتین اور بچوں کی وجہ سے متحیر تھے پھر آپؑ نے ان پر حسرت کی نظر ڈالی۔

پھر آپؑ نے ان پر الوداعی نظر ڈالی۔

امامؑ کچھ دیر تک روئے کیوں تھے؟

ایک ساعت کا گریہ بہت ہوتا ہے۔

اسی گریہ میں امامؑ کے ذہن میں تصویریں آ رہی تھیں۔ آپؑ نے انھیں ایک خیمہ میں اکٹھے دیکھا اور سب کو ایک دوسرے کے پہلو میں دیکھا۔ پھر آپؑ کے سامنے مستقبل کی تصویریں آئی ہوں گی۔ آپؑ کے سامنے مستقبل کے واقعات مجسم ہو گئے ہوں گے، اسی لیے آپؑ روئے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ اس وقت تو پورا خاندان اس خیمہ میں جمع ہے مگر چند دنوں کے بعد گھر کے تمام مرد شہید ہو جائیں گے اور ان کے بے گور و کفن لاشے صحرا میں ہوں گے اور قیدی کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں میں ہوں گے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

پانچویں مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزادارانِ امامؑ مظلوم!

مخلصین کے امامؑ اور اوصیاء کے سردار علیہ افضل الصلوٰۃ المصلین'' نے فرمایا:

عِبَادٌ مَخْلُوقُوْنَ اقْتِدَاراً وَمَرْبُوْبُوْنَ اقْتِسَاراً

''یہ بندے اس کے اقتدار کا ثبوت دینے کے لیے وجود میں آئے ہیں اور غلبہ وتسلط کے ساتھ ان کی تربیت ہوئی ہے''۔

(نہج البلاغہ کے خطبہ غرّاء سے اقتباس)

ایک انسان کتنا بے بس ہے؟

امام علیہ السلام کے ان کلمات کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگو! تم اس جہان میں اپنی مرضی سے نہیں آئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہاں بھیجے جانے میں تم سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی تم سے اس کی پیشگی اجازت لی گئی ہے اور تمہیں قدرت کی طرف سے یہ نہیں کہا گیا کہ ہم تمہیں دار دنیا میں بھیج رہے ہیں۔

اس وقت اگر آپ اس جہان میں زندگی بسر کر رہے ہیں تو اس میں بھی آپ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ آپ تو اتنے بے بس اور لاچار ہیں کہ آپ کا خود اپنے ہی بدن پر بس نہیں چلتا اور آپ اپنی شکل وصورت میں بھی بے بس ہیں۔

مَرْبُوْبُوْنَ اقْتِسَاراً

''غلبہ و تسلط کے ساتھ ان کی تربیت ہوئی ہے''۔

اگر آپ زندگی کے تیس یا چالیس برس بسر کر چکے ہیں تو اس اچھی خاصی عمر بسر کرنے کے باوجود آج تک آپ کو یہ پتہ تک نہیں چل سکا کہ آپ جو غذا کھاتے ہیں یہ غذا بدن کے کون سے اجزاء تک پہنچتی ہے......

یاد رکھیں! جسم میں تین ہزار اجزاء اور چار ہزار قوتیں ہیں۔

جو روٹی آپ تناول کرتے ہیں اس کا کچھ حصّہ ہڈیوں تک پہنچتا ہے اور کچھ حصّہ جلد، کچھ حصّہ گوشت، کچھ حصّہ خون اور کچھ حصّہ دماغ تک منتقل ہوتا ہے۔

اس سے بڑھ کر اگلی بات سنیں اور وہ بات یہ ہے کہ آج تک آپ کو ''نفس'' سے بھی آگاہی حاصل نہیں ہوئی۔

علمِ منطق میں کہا جاتا ہے کہ ''دور'' باطل ہے لیکن یہاں دور ثابت ہے مثلاً اگر آپ سانس نہ لیں تو آپ کی زندگی ختم ہو جائے گی اور اگر آپ زندہ نہیں ہیں تو پھر آپ سانس نہیں لے سکتے۔

(بالفاظِ دیگر حیات تنفس پر موقوف ہے اور تنفس حیات پر موقوف ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھوں میں ایک سیاہ رنگ کا مرکز نور پیدا کیا ہے اور وہ مسور کی دال کے دانے کے برابر ہے۔ لیکن ننھے سے عدسہ میں اللہ نے اتنی طاقت رکھی ہے کہ آپ کسی دُوربین کے بغیر خالی آنکھوں سے زحل کو دیکھ سکتے ہیں۔ جب کہ وہ ہم سے دس ہزار سال کی مسافت پر واقع ہے لیکن آپ پلک جھپکنے میں اسے دیکھ سکتے ہیں۔ آپ اسی عدسہ سے بہت سے ستاروں کو دیکھ سکتے ہیں جبکہ ہر ستارہ زمین سے چودہ حصّہ بڑا ہے۔

عزیز بھائیو!

آنکھ کا یہ سیاہ عدسہ منجمد شبنم کے قطرے کے برابر ہے۔ آپ کی بے بسی کا یہ

عالم ہے کہ آپ کو آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کیسے سوچتے ہیں اور کیسے گفتگو کرتے ہیں اور کیسے سنتے ہیں۔

اس دنیا سے ہزاروں فلاسفہ گزر چکے ہیں لیکن ان سے آج تک یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ انسانی وجود میں سوچنے کا مقام اور عضو کون سا ہے؟

کچھ فلاسفہ کا قول ہے کہ اس کا مقام دل ہے اور کچھ حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس کا مقام دماغ ہے لیکن کوئی بھی فلسفی کسی قطعی اور یقینی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکا۔

فلاسفہ کی طرح آپ حضرات بھی اس مسئلہ کے ادراک سے قاصر ہیں۔

مقصدِ گفتگو یہ ہے کہ آپ اپنے اختیار کے بغیر اس دنیا میں آئے ہیں اور یہاں بھی اپنے اختیار کے بغیر آپ جی رہے ہیں اور آپ کو اپنی ذات سے بھی کچھ زیادہ واقفیت نہیں ہے۔

اگر یہ باتیں آپ نے سمجھ لی ہیں تو پھر یہ بھی سمجھ لیں کہ آپ کو یہاں سے جانا ہوگا اور اس جانے میں بھی آپ کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

آپ اچانک دنیا میں آئے اور اچانک ہی یہاں سے رخت سفر باندھ کر روانہ ہو جائیں گے۔

آیئے! چند لمحات کے لیے یہ سوچیں جب ہم یہاں سے رخصت ہوں گے تو ہمیں کہاں لے جایا جائے گا اور اگلے سفر کی کیفیت کیا ہوگی؟ کیا ہمارے لیے وہاں کوئی گھر ہے؟ کیا وہاں ہمارے دوست احباب وہاں پہلے سے موجود ہیں؟

اور اگلے جہان میں ہمیں سعادت حاصل ہوگی یا شقاوت منہ کھولے ہوئے کھڑی ہوگی؟ خدارا ان مسائل پر ضرور غور کریں۔

یاد رکھیں! کسی مصیبت کا خوف کبھی بھی فائدہ مند نہیں ہوتا مگر یہ خوف مفید ہے اور ثمر آور ہے۔

اگر آپ سفر کر رہے ہوں اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ راستے میں ڈاکو پائے جاتے ہیں جو مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں تو آپ کو یقیناً خوف محسوس ہوگا۔کیا آپ کے اِس خوف کی وجہ سے ڈاکو آپ کو چھوڑ دیں گے؟

جواب نفی میں ہے۔آپ کو بیماری کا خوف ہے۔کیا آپ کے اس خوف کی وجہ سے بیماری آپ سے دور ہو جائے گی؟

اس سوال کا جواب بھی نفی میں ہے۔آپ کے خوف کی وجہ سے بیماری آپ سے دُور نہیں بھاگے گی۔

البتہ! خوفِ آخرت انتہائی مفید ہے۔ یہ خوف آپ کو آخرت کے مصائب و آلام سے بچانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

اگلے جہان کے حالات کیا ہیں؟ اور وہاں کی زندگی کیسی ہے؟ یہ ایام اسی خوف کی یاد دلانے کے لیے ہیں۔ اگر آپ کے پاس خوفِ آخرت موجود ہے تو آپ کو نجات کا وسیلہ مل سکتا ہے۔

صاحب الوسائل مولا حسینؑ ہیں

جن لوگوں کے پاس خدا تک پہنچنے کا وسیلہ نہیں ہے تو میں انھیں دعوت دیتا ہوں کہ آؤ! مَیں نے تمھارے لیے راستہ تلاش کر لیا ہے۔

وہ وسیلہ اور وہ راستہ ''صاحب الوسائل'' کا ہے اور ''صاحب الوسائل'' حضرت امام حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔ان کے پاس بہت زیادہ وسائل ہیں۔

اگلے جہان کے متعلق حیرت میں ڈوبے ہوئے لوگو! اس جہان میں مہمان خانہ موجود ہے اور اس مہمان خانہ کا مالک امام حسینؑ بن علیؑ ہے۔ ان کے پاس نو مرتبہ ضیافت کا سامان ہے۔

اس جہان میں امامؑ کے بہت سے مہمان خانے ہیں اور آپؑ کے مہمان خانے

صرف اس دنیا تک محدود نہیں ہیں بلکہ برزخ میں بھی آپؑ کے مہمان خانے ہیں اور آخرت میں بھی آپؑ کے پاس بہت سے مہمان خانے موجود ہوں گے۔

ہر مہمان خانہ پر ندا دینے والا منادی موجود ہے۔ ہر مہمان خانہ میں دسترخوان بچھے ہیں اور مشروبات موجود ہیں۔

اس موضوع کی تفصیلات ان نو مہمان خانوں سے وابستہ ہیں۔ وسائل بہت زیادہ ہیں جن کی تعداد ایک سو یا دو سو تک ہے لیکن یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ان وسائل میں احکام خدا کی مخالفت اور نافرمانی شامل نہیں ہے۔

ہم نے آج تک یہ بات کبھی نہیں سنی کہ امامؑ نے خدا کی معصیت، شریعت کی خلاف ورزی اور ترک قرآن کو اپنے تقرّب کا وسیلہ بنایا ہو۔

عزادارانِ امامِؑ مظلوم!

امامؑ نے کربلا کے میدان میں ایک خطبہ دیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان غیر شرعی افعال کا مرتکب خدا، رسولؐ اور امامؑ کا دشمن ہے۔ آپؑ نے ابن زیاد کے لشکر سے فرمایا:

''لوگو! مجھے بتاؤ کہ تم نے میرا خون کیوں حلال سمجھ لیا ہے؟ کیا مَیں نے کسی کو ناحق قتل کیا ہے کہ تم نے مجھ سے اس کا قصاص لینا ہے؟ کیا مَیں نے کسی کے مال کو لوٹا ہے کہ تم مجھ سے لڑنے کے لیے آ گئے ہو؟ کیا مَیں نے شریعت بدلی ہے کہ تم مجھ سے جنگ کرنے کے لیے آئے ہو؟ کیا مَیں نے کسی سنت کو بدلا ہے کہ تم میرے دشمن بن گئے ہو؟ کیا مَیں نے کسی حرام کو حلال اور کسی حلال کو حرام کیا ہے کہ تم مجھ سے جنگ کے لیے تیار ہو گئے ہو؟ (اگر مَیں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا تو پھر تم مجھ سے جنگ کرنے

کے لیے کیوں آئے ہو؟)''

امامؑ کی یہ گفتگو ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جو کہتے ہیں کہ مصائب میں جھوٹ بولنا حلال ہے۔

یہ نظریہ تمام شریعتوں کے خلاف ہے۔

خدارا مجھے بتائیں کہ موسیقی و غناء کی صورت میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر جھوٹ تراش کر بھی مصائب پڑھنا جائز ہے؟

یاد رکھیں!

جو شخص ان اُمور کو حلال سمجھ کر ان کا ارتکاب کرے تو اس کا خون حلال ہے۔

تو کیا آپ ان غیر شرعی اُمور کا ارتکاب کر کے امام علیہ السلام کا توسل چاہتے ہیں؟ یہ چیز ناممکن ہے۔

جی ہاں! سیّد الشہداءؑ کے بہت سے وسائل ہیں۔ ان وسائل میں خدا کی نافرمانی شامل نہیں ہے۔

دین کے اُمور لوگوں کی خواہشات پر قائم نہیں ہیں۔ اگر بالفرض ایسا ہوتا تو سیّدالشہداءؑ نے ان مصائب کو برداشت کیوں کیا تھا۔ آپؑ کو میدان میں شہید ہونے کی کیا ضرورت تھی اور آپؑ کی بہن کو قیدی ہونے کی کیا ضرورت تھی؟۔ آپؑ کی قربانیوں کا مقصد دین کے قیام کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اگر دین کا قیام مقصود نہ ہوتا تو آپؑ اتنی قربانیاں ہی نہ دیتے۔

آج کی مجلس میں مجھے سیّد الشہداءؑ کا مرتبہ بیان کرنا مقصود ہے۔ میں نوحے نہیں پڑھنا چاہتا۔

امامؑ کے جن وسائل کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں ان میں سے ہر وسیلہ کا ایک نہ ایک منادی ہے۔

پہلا وسیلہ: رب العالمین کی طرف سے ندا کا آنا ہے۔

بعض مقامات پر نبی اکرمؐ منادی ہوں گے۔

بعض مقامات پر جبریل امین منادی ہوں گے۔

کچھ مقامات پر امیرالمومنینؑ منادی ہوں گے۔

اور کچھ مقامات پر خود سیّدالشہداءؑ منادی ہوں گے۔

بعض مقامات پر حضرت عالیہ مکرمہ جناب زینب کبریٰؑ منادی ہوں گی۔

جی ہاں!

ہر وسیلہ کے لیے کوئی نہ کوئی منادی ہو گا۔

ہر ایک کے لیے ندا آئے گی یعنی حسینیؑ وسائل کے لیے۔

آج کی گفتگو میں، مَیں کچھ وسائل بیان کرنا چاہتا ہوں۔

ہمیں سب سے پہلے اپنے آقا و مولاؑ سے ''عقد توسل'' قائم کرنا ہو گا۔

توسل ایک طرح کا عقد ہوتا ہے اور اس کے لیے ''ایجاب و قبول'' کا صیغہ ہوتا ہے۔عقد کی بھی ایک سند ہوتی ہے۔

آپ کا کیا ارادہ ہے کیا ہم ''عقد توسل'' پڑھیں۔

ہم نے ''ایجاب'' کا صیغہ پڑھنا ہے۔اب ہمیں سچے دل سے ایجاب کا صیغہ پڑھنا ہے۔

حضرت سیّدالشہداءؑ اپنے ایک مہمان خانہ سے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔اب ہم یہ کہتے ہیں:

يَا اَبَا عَبْدِاللهِ! اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ بِكَ اِلَی اللهِ

''ابو عبداللہ! میں آپؑ کے ذریعہ سے اللہ کا توسل چاہتا ہوں''

جب آپ ایجاب کا صیغہ پڑھتے ہیں تو امامؑ قبول کا صیغہ پڑھتے ہیں۔

امامؑ سے توسل کے کئی ذرائع ہیں۔ ان میں آپ پر گریہ کرنا بھی وسائل حسینیؑ کا حصّہ ہے اور یاد رکھیں کہ گریہ و بکا کی بھی کئی اقسام ہیں۔

جب ہم کوئی وثیقہ یا سند لکھتے ہیں تو اسے دفتر اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم معاملات کی سند لکھتے ہیں مثلاً یہ کہا جاتا ہے:

''فلاں نے فلاں سے فلاں مقام پر گھر خریدا ہے اور اس کی اتنی قیمت ادا کی ہے اور اس کی شرائط یہ ہیں''۔

اب ہم یہ کہتے ہیں کہ خریدار امام حسین علیہ السلام ہیں۔ اب امام حسین علیہ السلام یہ لکھیں گے:

''یہ وہ چیز ہے جسے امام سعید ابوعبداللہؑ شہید نے خرید کیا ہے۔

اب خریدار امامؑ ہیں۔

لیکن وہ کس سے خرید رہے ہیں۔ اس کے بیچنے والا وہ شخص ہے جو کہ گناہوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے جس کا چہرہ گناہوں سے سیاہ ہے اور جو غضب الٰہی سے جلا ہوا ہے۔

امامؑ کیا خرید رہے ہیں؟

اس وسیلہ میں امامؑ آپ سے دس طرح کا حزن و بکا خرید کرتے ہیں۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ آپ بکا کے بغیر ہر وقت مغموم رہیں۔ اس کے بعد اس سے اعلیٰ درجہ کو بھی امامؑ آپ سے خرید کرتے ہیں اور وہ ''دل کا درد'' ہے یعنی امامؑ کی وجہ سے آپ کا دل مغموم رہے۔

ہم اس سے بہت دور کی بات کرتے ہیں۔ امامؑ آپ سے وہ آنسو خریدتے ہیں جو آپ کی آنکھوں سے ٹپکتے ہیں۔ یہ سب باتیں احادیث سے ثابت ہیں یہ کوئی من گھڑت مسائل نہیں ہیں۔

امامؑ آپ سے تمام آنسو خرید کرتے ہیں اگر آنسو آنکھ کے گھر میں ہی رہیں اور باہر نہ آئیں تو بھی امامؑ اسے خرید کرتے ہیں اور آپ کے وہ آنسو جو آپ کے رخساروں پر جاری ہوتے ہیں امامؑ انھیں بھی خرید کرتے ہیں۔ اور اگر آپ کے آنسو رخساروں پر بہہ کر آپ کی ریش تک آ جائیں اور آپ کی ریش آنسوؤں سے تر ہو جائے تو امام حسین علیہ السلام ان آنسوؤں کو بھی خرید کرتے ہیں۔

اگر آپ کے آنسو ریش کو تر کر کے آپ کے سینہ پر بہنے لگ جائیں تو امامؑ اسے بھی خرید کرتے ہیں۔

اور اگر آپ کے آنسو سینہ سے گزر کر آپ کے دامن کو تر کرنے لگیں تو امام حسین علیہ السلام آپ کے وہ آنسو بھی خرید کرتے ہیں۔

بکا کی تمام اقسام کا اجر احادیث سے ثابت ہے اور اگر آنسو کے ساتھ آہ اور چیخ بھی شامل ہو تو اس کا مزید اجر ہے۔

اور اگر رونے کی آوازوں کے ساتھ نالہ وشیون کی صدائیں شامل ہوں تو اس کا اجر اور زیادہ ہے۔

اور اگر اس کے ساتھ چیخیں بھی شامل ہوں تو ان کا اجر اور بھی زیادہ ہے۔

اس کا دسواں مرتبہ وہ ہے جو کہ ابوذر کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

حَتّٰی تزھق انفسکم

''یہاں تک کہ تمھاری جان نکل جائے''۔

بھائیو! ذرا دیکھو!

ہم نے سیّدالشہداءؑ کے لیے کیا کیا ہے؟

یزید لعین سے ایک جملہ نقل کیا جاتا ہے جب بھی میں اس پر غور کرتا ہوں تو مجھے نہایت شرمندگی ہوتی ہے۔

جب امام مظلومؑ کا سر اقدس لعین کے محل کے دروازے پر نصب کیا گیا تو اس کی بیوی کو اس ظلم کا پتہ چلا اور وہ ننگے سر دربارِ عام میں چلی آئی۔ اس نے یزید سے کچھ کلمات کہے جن کا مفہوم یہ تھا:

''یزید! تو نے حسینؑ بن فاطمہؑ کا سر محل کے دروازے پر معلّق کیا ہے؟''

اس وقت یزید اٹھا اور اپنی نجس چادر اپنی بیوی ''ہند'' کے سر پر ڈالی اور کہا کہ ہند! واپس محل میں چلی جاؤ اور گھر میں آرام سے بیٹھی رہو۔ یہ سارا کام ابن زیاد کا ہے، اس نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔ تم گھر جاؤ اور حسینؑ پر غم کرو۔

یزید لعین اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ جاؤ اور حسینؑ پر نوحہ پڑھو۔

اب ذرا ہم اپنے متعلق بھی ذرا غور کر لیں کیا ہم ایسی نوحہ خوانی تو نہیں کر رہے؟!

سامعین محترم!

میں اس معاملہ عقد کی سند مکمل کرتا ہوں۔

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی...... یہ وہ سودا ہے جسے حسینؑ نے خرید کیا ہے۔

خریدار حسینؑ ہیں اور وہی ان آنسوؤں کی قیمت ادا کریں گے۔

کبھی یہ نہ سوچنا کہ جو آنسو بہے ہیں وہ خشک ہو جائیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے پیدا کیے ہیں جو سیّدالشہداءؑ پر بہنے والے اشکوں کو جمع کرتے ہیں۔ ملائکہ ان آنسوؤں کو جنت کی شیشیوں میں رکھ کر اسے جنت کے خازنوں کے سپرد کرتے ہیں اور وہ ان میں آب حیات شامل کرتے ہیں۔

اب آپ پوچھیں گے کہ یہ قیمت کب ملے گی؟

اس کی قیمت نقد ملتی ہے۔ جیسا کہ امامؑ نے فرمایا:

اَلَا... وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی الۡبَاکِیۡنَ عَلَی الۡحُسَیۡنِ.........

''جو حسینؑ کی محبت میں روتے ہیں خدا ان پر درود بھیجتا ہے''۔

آپ نے سنا کہ اس رونے کی قیمت یہ ہے کہ اللہ آپ پر درود بھیجتا ہے۔
یہ قیمت تو نقد ہے اور باقی قیمت چند اقساط میں ادا کی جائے گی۔
اس کی ایک قسط آپ کو موت کے وقت ادا کی جائے گی۔
دوسری قسط اس وقت ادا کی جائے گی جب آپ قبر میں داخل ہوں گے۔
پھر جب آپ قبر سے باہر آئیں گے تو اس کی اور قسط آپ کو ادا کر دی جائے گی۔
یوں آپ کو ہر جگہ اس کی قسط ادا کی جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود میں ان وسائل کو ابھی بیان نہیں کر سکا۔

مَیں نے عرض کیا کہ حسینؑ کے پاس ایک سو وسائل ہیں یا دو سو وسائل ہیں۔
ان میں سے بلند ترین وسیلہ امامؑ کے ہم رکاب ہو کر شہید ہونا ہے۔ یاد رکھیں! کہ کسی بھی نبی یا امامؑ کو میدان میں قتل نہیں کیا گیا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہیں لیکن ظالموں نے ان کے سر کو کاٹا اور اسے ایک طشت میں رکھ کر بے حیا بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے بدکار عورت کو تحفہ میں سر پیش کیا۔

امیر المومنینؑ شہید ہوئے لیکن میدان میں نہیں بلکہ محراب مسجد میں ان پر حملہ کیا گیا۔

امام حسن علیہ السلام کو زہر دے کر گھر میں شہید کیا گیا۔

میدان میں شہید ہونا صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کی خاصیت ہے اور یہ وسیلہ بہتر افراد تک منحصر تھا جن کے نام اس صحیفہ میں درج تھے جسے جبریل امین لے کر نازل ہوئے تھے اور اس میں امام حسین علیہ السلام کی ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا تھا۔ وہ صحیفہ ''صحیفہ حسینیہ'' کہلاتا ہے۔

حضرت جبریلؑ بارہ آئمہؑ کے لیے بارہ صحائف لائے تھے جن میں ہر امامؑ کی

تکلیف شرعی بیان کی گئی تھی جیسے ہی کوئی امامؑ منصب امامت پر فائز ہوتا وہ اس صحیفہ کو کھول کر پڑھتا اوراس کے احکام پر عمل کرتا تھا۔

قدرت کی طرف سے جو صحیفہ امام حسین علیہ السلام کے لیے نازل ہوا اس میں یہ لکھا تھا:

''حسینؑ! اپنی جان خدا کے لیے بیچ دے اور شہادت تک جنگ کر اور شہادت کے لیے کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے جا۔ انھوں نے آپکے ساتھ شہید ہونا ہے۔

عزیز بھائیو!

یہ ایک وسیلہ ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی وسائل ہیں، جن کا ثواب شہداء کے ثواب کے مانند ہے۔

اگر آپ کو یہ مقام مل جائے تو آپ کو بھی شہداء کا مقام عطا کیا جائے گا۔

یہ وسیلہ ''شرکت'' ہے۔

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے مشہور صحابی جابر بن عبداللہ انصاری کربلا آئے۔ یہ امامؑ کے پہلے زائر تھے جبکہ جابر معذور تھے۔ اسی لیے انھیں واقعہ کربلا میں شریک نہ ہونے کا کوئی غم نہ تھا۔

حضرت جابر، عمر کے آخری حصّہ میں نابینا ہو چکے تھے، اسی لیے ان سے جہاد ساقط تھا۔

امام سجاد علیہ السلام اگر بیمار نہ ہوتے تو ان پر بھی جہاد واجب ہوتا۔ اسی لیے اللہ نے انھیں بیمار کر دیا تا کہ وہ زندہ رہیں لیکن اسی سخت بیماری کے باوجود روزِ عاشور انھوں نے اپنے والد کی نصرت کے لیے ایک یا دو مرتبہ جہاد کرنے کی کوشش کی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جابر چہلم کے دن سیّدالشہداءؑ کی زیارت کے لیے آئے۔

روایات سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ سے کربلا آئے اور ان کے

ساتھ عطیہ عوفی تھے۔ اس نے ان کا عصا پکڑا ہوا تھا۔ اس وقت حرمِ مقدس صحرا میں تھا اور قبر مطہر پر کوئی بڑا نشان موجود نہ تھا۔

جابر نے عطیہ سے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر قبر پر لے جا اور میرا ہاتھ قبر پر رکھ۔ عطیہ نے ان کے فرمان پر عمل کیا۔ اس وقت جابر نے تین بار پکار کر ''یا حسینؑ'' کہا اور غش کھا کر گر پڑے اور جب افاقہ ہوا تو امامؑ کی زیارت کی اور شہداء کی طرف رُخ کیا، ان کی زیارت کی پھر انھوں نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ ہم بھی اس میں تمھارے شریک ہیں جس میں تم داخل ہوئے ہو''۔

عطیہ نے یہ جملے سنے تو کہا کہ ہم ان کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں؟ جبکہ انھوں نے اپنی جانیں قربان کی ہیں اور بچوں کو یتیم اور بیویوں کو بیوہ کر گئے ہیں۔

حضرت جابر نے کہا: عطیہ! مَیں نے اپنے حبیب رسولِؐ خدا سے یہ سنا تھا کہ

من احب قوما حشر معهم ومن احب عمل قوم اشرك فی عملهم

''جو کسی گروہ سے محبت کرے تو وہ ان کے ساتھ محشور ہوگا اور جو کسی قوم کے عمل سے محبت کرے تو وہ ان کے عمل میں شریک کیا جائے گا''

میری نیت وہی ہے جس پر حسینؑ اور ان کے اصحاب نے قربانی دی ہے۔

معزز سامعین!

ایک اور وسیلہ کے متعلق بھی سن لیں اور وہ حق حسینؑ کی معرفت ہے۔

اس وسیلہ کے منادی رسولِ اکرمؐ ہیں۔ آنحضرتؐ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حسین کو اپنی گود میں بٹھا کر فرماتے تھے:

''لوگو! یہ حسینؑ بن علیؑ ہے، اس کی معرفت حاصل کرو''۔

یہ درست ہے کہ تمام آئمہؑ کے حق میں ان کی معرفت شامل ہے لیکن یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ حسینؑ کو خصوصیت حاصل ہے۔

عبداللہ بن یعفور راوی ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لیے کوفہ سے مدینہ گیا اور مَیں نے ان سے عرض کیا: مجھے آپؑ کی محبت نے مجبور کیا تو میں طویل سفر طے کر کے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: جب تم نے یہ عمل خدا کے لیے کیا ہے تو پھر اپنی تکالیف کو بیان مت کرو۔

پھر آپؑ نے فرمایا کہ تم وہاں کیوں نہیں گئے جس کا حق میری بہ نسبت تجھ پر زیادہ ہے؟

ابن یعفور کہتے ہیں کہ یہ سن کر مجھے تعجب ہوا اور مَیں نے عرض کیا: وہ کون ہے جس کا حق آپؑ کی بہ نسبت مجھ پر زیادہ ہے جبکہ آپؑ کی اطاعت خدا کی طرف سے ہم پر فرض ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: وہ حسینؑ بن علیؑ ہیں۔

عزادارانِ امامؑ!

سیّدالشہداءؑ کے وسائل میں سے ایک وسیلہ سیّدالشہداءؑ کی بیعت ہے اور انؑ کی بیعت اب مکمل ہو چکی ہے۔

ایک منادی نے حضرتؑ کی بیعت کی ندا کی تھی، جب امام حسین علیہ السلام نے مکہ چھوڑا اور عراق کی طرف روانہ ہوئے تو اس رات ابن عباس نے خواب دیکھا کہ مسجدالحرام میں امام حسین علیہ السلام کا ہاتھ جبریلؑ کے ہاتھ میں ہے اور جبریلؑ یہ ندا دے رہے ہیں: ''آؤ اللہ کی بیعت کی طرف آؤ''۔

دوستو! کیا آپ جبریلؑ امین کی آواز پر سیّدالشہداءؑ کی بیعت کرنے پر آمادہ

ہیں؟ یاد رکھیں کہ یہ اللہ کی بیعت ہے اور آپ بیعت کر کے اُسے پورا کر سکتے ہیں؟

وسائل حسینؑ میں ایک وسیلہ ''حج حسینؑ'' ہے۔

اس مضمون کی تفصیل بھی ہے۔ کعبہ کے مناسک ہیں۔ کعبہ کا حج فرض ہے۔ لیکن حسینؑ اور ان کے اصحاب نے کس طرح سے حج کیا، اس کے متعلق میں فی الحال بحث کرنا پسند نہیں کرتا۔

عزیزانِ گرامی قدر!

ان وسائل میں سیّدالشہداءؑ کے لیے تلبیہ کہنا شامل ہے۔ کسی بھی معصومؑ کی زیارت میں ''لبیک'' کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ انفرادیت صرف سیّدالشہداءؑ کو حاصل ہے کہ آپؑ کی زیارت میں ''لبیک یا داعی اللہ'' کہا جاتا ہے۔ اس طرح کا تلبیہ کرنا آپ کے لیے بھی ممکن ہے۔ ان شاء اللہ میں عنقریب کچھ آدابِ تلبیہ بیان کروں گا۔

اہلِ ایمان بھائیو!

میرے پاس یہ قدرت نہیں ہے کہ میں تمام وسائل کا ذکر کروں۔ میں صرف چند خصوصیات ہی کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

بعض اوقات انسان ایک عمل کرتا ہے لیکن کچھ وجوہات کی بناء پر وہ عمل ''حبط'' بھی ہوسکتا ہے یا قیامت کے دن اس کے مخالف اس سے وہ عمل چھین سکتے ہیں۔ بہت سے علل و اسباب ایسے بھی ہیں جن سے عمل باطل اور فاسد ہوسکتا ہے۔

وسائل میں سے یہ ہے کہ عمل پر اثر مرتب ہو اور اس میں عمل کرنے والے انسان کا کوئی اختیار نہ ہو۔ اس صورت میں وہ عمل ''حبط'' نہیں ہوسکتا اور مخالف اس کے عمل کو چھین نہیں سکتے۔

مثلاً: کوئی قرض خواہ اپنے قرض کے عوض مقروض کے رہائشی مکان پر قبضہ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح سے قیامت کے دن مخالف اعمال چھین لیں گے لیکن وہ اس انسان

کا ایمان نہیں چھین سکتے۔

جی ہاں !امام حسین علیہ السلام کے پاس ایسے وسائل موجود ہیں جو کہ حبط نہیں ہو سکتے۔

امامؑ کی مظلومیت پر آنسو بہانا

معصومؑ کا فرمان ہے:''ہر چیز کے اجر وثواب کی ایک حد ہے لیکن سیّدالشہداءؑ پر رونا ایسی عبادت ہے کہ اس کے اجر وثواب کی کوئی حد نہیں ہے''۔

فرض کیجئے کہ جن لوگوں کے حقوق کو آپ نے ضائع کیا وہ قیامت کے دن تمھارے نیک عمل چھیننے کے لیے آگے بڑھیں گے۔ اگر وہ اپنے حقوق کے برابر آپ کے عمل کی نیکیاں لے بھی جائیں تو بھی اس کے باوجود آپ کے پاس نیکیوں کا خزانہ موجود رہے گا کیونکہ غم حسینؑ میں رونے کے ثواب کی حد مقرر نہیں ہے کہ وہ نیکیاں ختم ہو جائیں۔ ابدی دوزخ سے خلاصی پانا کم از کم ایک اچھی بات ہے۔ امامؑ پر رونا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ واقعات کربلا سن کر تو سنگدل انسان بھی رونے لگ جاتے ہیں۔ آپ اگر صرف یہی تصور ہی کر لیں کہ مظلوم کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ وطن سے بے وطن ہونا بڑی مصیبت ہے۔

عزادارو!

آپ مدینہ روانگی کو دیکھ کر رو سکتے ہیں۔ اگر بالفرض یہاں رونا نہ آئے تو مکہ چھوڑنے کا تصور کریں تو آپ رو سکتے ہیں۔ مکہ شہر امن ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کے لیے حرم نہیں ہے بلکہ یہ تو کافروں کے لیے بھی حرم ہے۔ مکہ قاتل کے لیے بھی حرم ہے۔ مکہ حیوانات، جانوروں اور پرندوں تک سب کے لیے حرم ہے۔ اسی لیے آپ مکہ میں شکار کا گوشت نہیں کھا سکتے۔ مکہ میں ہر طرح کے جانور کا شکار حرام ہے۔

مکہ نباتات کے لیے بھی حرم ہے۔ یہ درختوں کی جڑوں کے لیے بھی حرم ہے۔

چنانچہ وہ مکہ جو ہر چیز کے لیے حرم ہے لیکن سیّدالشہداءؑ کو یہاں بھی ظالموں نے امان نہ دی اور آپؑ کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ جب آپ اس واقعہ کو یاد کریں گے تو آپ امامؑ کی بارگاہ میں خراجِ اشک پیش کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

امامؑ نے اس وقت مکہ چھوڑا جب لوگ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ آ رہے تھے۔

یزیدی حکومت نے آپؑ کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ آپؑ نے حج کو عمرہ سے تبدیل کیا اور مکہ چھوڑ دیا۔

سیّدالشہداءؑ پر ایسے دردناک مصائب آئے کہ اگر کوئی شخص آپؑ کی شخصیت، عظمت اور امامت کو نہ بھی جانتا ہو اور وہ یہ مصائب سنے تو انسان ہونے کے ناطے رونے لگ جاتا ہے۔

یزید لعین جیسا دنیا میں کوئی لعین ہی نہیں گزرا۔ دنیا کا کون سا ایسا جرم ہے جس کا ارتکاب اس نے نہ کیا ہو۔ امام حسین علیہ السلام کا قتل، مدینہ کی تاراجی، مکہ کی بربادی اور مدینہ میں شراب نوشی جیسے بداعمال کا اس نے ارتکاب کیا۔

اسی یزید کے سامنے کربلا کا واقعہ بیان کیا گیا تو اس نے کہا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو میں ان کا دفاع کرتا اگرچہ مجھے اپنے کسی بیٹے کی قربانی بھی دینی پڑتی۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس لعین نے کس مصیبت کو سن کر یہ جملہ کہا تھا۔

اس کے متعلق بہت سے احتمال ہو سکتے ہیں ممکن ہے کہ اسے یہ بتایا گیا ہو کہ حسینؑ زین سے زخمی ہو کر گرے، مقتل میں بیٹھے تھے کہ گیارہ سال کا بھتیجا ملنے چلا آیا۔ ظالموں نے اسے حسینؑ کی گود ہی میں قتل کر دیا۔

اس واقعہ کی تفصیل مَیں عنقریب بیان کروں گا۔

جی ہاں! یہاں جو گریہ ہے یہ حسینؑ سے محبت کا ثبوت ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

چھٹی مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ (التوبہ:۱۱۱)

”بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانوں اور ان کے اموال کو جنت کے عوض میں خرید لیا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں۔ یہ وعدہ خدا کے ذمہ ہے اور تورات، انجیل اور قرآن میں اسے بیان کیا گیا ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا اہلِ ایمان سے تجارتی معاہدہ

یہ آیت مجیدہ بیان کرتی ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ ہوا ہے:

(۱) خریدار رب العالمین ہے۔

(۲) بیچنے والا مومن ہے۔

۳ جو سامان بیچا گیا وہ جان اور مال ہے۔

۴ قیمت جنت ہے۔

اس خرید وفروخت کی دستاویز اور سند تورات، انجیل اور قرآن میں ہے۔

فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَيۡعِكُمُ الَّذِىۡ بَايَعۡتُمۡ بِهٖ ؕ (التوبہ:۱۱۱)

''اس خرید وفروخت پر خوش ہو جاؤ جو تم نے کی ہے۔ معاملہ کرنے والے افراد مختلف ہیں''۔

عزیز بھائیو!

کچھ ہیں جنہوں نے ابتدائے خلقت سے آخر تک خدا سے یہ معاملہ ہی نہیں کیا اور دنیا کے علاوہ ان کی نظر کسی اور چیز پر نہیں ہے۔ اگر ایسا شخص بالفرض عبادت کرتا بھی ہے تو بھی دنیا کے حصول کے لیے ایسا کرتا ہے۔ اور وہ آج تک اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى... کے معاملہ کی دکان میں داخل ہی نہیں ہوا۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جو تھوڑے سے اس معاملہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود خدا فرما رہا ہے کہ میں مومن کی جان و مال کا خریدار ہوں۔

اب کچھ دیر کے لیے آپ اپنی حالت پر نگاہ ڈال لیں اور سوچیں کہ کیا آپ نے اللہ سے یہ معاملہ کیا ہے؟ اس کے لیے آپ کو دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے اعمال کو دیکھ لیں پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے خدا کے ساتھ یہ سودا کیا ہے یا نہیں کیا؟

باقی اہلِ ایمان کے معاملات الگ الگ ہیں۔

کچھ ایسے مومن بھی ہیں جو اس معاملہ کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں اور وہ اوّلین و آخرین کے جملہ شہداء ہیں کیونکہ انھوں نے اللہ کی راہ میں اپنی پیاری جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔

اس معاملہ کی دستاویز لکھی جا چکی ہیں۔ جیسے ہی کوئی مومن خدا کی رضا کے لیے میدانِ جنگ میں قدم رکھتا ہے تو اس کا یہ عمل اس امر کو واضح کرتا ہے کہ وہ اپنی جان کو خدا کے ہاتھوں بیچ چکا ہے اور خدا کی طرف سے کچھ دیر بعد اسے قیمت دی جائے گی۔ یعنی اسے جنت کی ملکیت عطا کی جائے گی اور وہ ٹکڑا اس کی ملکیت قرار پائے گا۔

احادیث میں بیان ہوا ہے کہ شہید جیسے ہی زمین پر گرتا ہے تو خوبصورت آنکھوں والی حوریں اس کا استقبال کرتی ہیں، یہ شہید کا مقام ہے۔

شہدائے کربلا تمام شہداء سے افضل ہیں

اس دنیا میں بہت سے خوش نصیب گزرے ہیں جنہیں شہادت کا اعزاز حاصل ہوا ہے لیکن اولین و آخرین میں سے جتنے بھی شہداء گزرے ہیں یا شہید ہوں گے کربلا کے شہید ان سب سے افضل ہیں۔ وہ تمام شہداء کے سردار ہیں اور حضرت امام مظلومؑ ان شہدائے کربلا کے بھی سردار ہیں۔

اسی خصوصیت کی ایک وجہ ہے کہ وہ تمام مجاہدین سے افضل کیونکر ہیں۔ حد یہ ہے کہ وہ اصحابِ نوحؑ سے لے کر امام صاحب الزماں علیہ السلام تک اصحاب سے افضل ہیں۔

شہدائے کربلا اصحاب نوحؑ، اصحاب طالوتؑ، اصحاب موسیٰؑ اور اصحاب عیسیٰؑ سے افضل ہیں اور وہ زمانہ پیغمبرؐ اور زمانہ امیرالمومنینؑ اور جملہ آئمہؑ کے دور میں شہید ہونے والے تمام لوگوں سے بھی افضل ہیں۔

ہماری یہ گفتگو محض زبانی دعویٰ پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث اور تاریخ سے اس کی گواہی ملتی ہے۔

عالم اسلام میں شہدائے بدر کا بڑا احترام پایا جاتا ہے اور ان کی عظمت کی دلیل کے لیے یہی بات کافی ہے کہ آپ حضرت ابوالفضل العباسؑ کی زیارت میں یہ کلمات

کہتے ہیں:

اَشْهَدُ وَاُشْهِدُ اللهَ اَنَّكَ مَضَيْتَ عَلٰى مَا مَضٰى بِهِ الْبَدْرِيُّوْنَ

''میں گواہی دیتا ہوں اور اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ آپ اسی راستے پر چلے تھے جس پر بدری صحابہ چلے تھے''۔

معزز حاضرین!

میں اس مقام پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اہل بدر اور امامؑ کے اصحاب میں بڑا فرق ہے۔ اہلِ بدر کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور ان کے پاس تلواریں موجود نہ تھیں۔ ان کا سب سے بڑا ہتھیار کھجور کی چھڑیاں تھیں اور مدمقابل ایک ہزار سوار تھے لیکن مجاہدین بدر اور مجاہدین کربلا میں بہت بڑا فرق ہے۔ اہلِ بدر مدینہ سے جنگ کے قصد سے نکلے ہی نہیں تھے اور اگر انھیں یقین ہوتا کہ کفار مکہ سے جنگ ہوگی تو وہ گھروں سے ہی نہ نکلتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے:

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ (انفال:۷)

''اور جب خدا تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ وہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ پر تمہیں کامیاب کرے گا۔ تم چاہتے تھے کہ تمھارے ہاتھ وہ قافلہ لگے جو کہ غیر مسلح ہو''۔

مجاہدین بدر سے یہ کہا گیا تھا کہ آؤ کفار کے تجارتی قافلہ کے سامان کو غنیمت میں لے لو۔ چنانچہ اصحابِ بدر قافلہ کے مال غنیمت کی غرض سے روانہ ہوئے تھے۔ انھیں یہ اندازہ نہ تھا کہ قافلہ ہاتھوں سے نکل جائے گا اور لشکر سے ان کی مڈبھیڑ

ہوجائے گی۔ اس کے برعکس شہدائے کربلاؑ پر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ کس اُمید پر امامؑ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے؟

اصحابِ بدر کو موت کا خوف تھا اسی لیے قرآن کریم نے یہ کہا:

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ

''تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح قافلہ ہاتھ آئے''۔

جب کہ شہیدانِ کربلاؑ کی آرزو ہی شہادت کا مرتبہ حاصل کرنا تھا۔ کربلا کے ہر مجاہد کی خواہش تھی کہ وہ دوسروں سے پہلے شہادت حاصل کرے۔

مجاہدین بدر سے اگرچہ اللہ کا وعدہ تھا کہ وہ ان کی مدد کرے گا لیکن جیسے ہی جنگ شروع ہوئی تو انھوں نے خدا سے استغاثہ کیا تھا کہ وہ ان کی مدد کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ (انفال:۹)

جب تم اپنے رب کو پکار رہے تھے تو اس نے تمھاری دعا کو قبول کیا اور فرمایا کہ میں ایک ہزار فرشتے لگاتار نازل کرکے تمھاری مدد کروں گا''۔

یعنی اللہ نے فرمایا کہ اضطراب نہ دکھاؤ۔ آسمان سے ملائکہ تمھاری مدد کریں گے، لیکن کربلا کا معاملہ بدر سے بالکل مختلف ہے۔

کربلا میں فرشتے آئے تھے لیکن مجاہدینِ کربلا نے ان کی مدد لینے سے اس لیے انکار کردیا کہ کہیں وہ ملائکہ کی وجہ سے شہادت کے اعزاز سے محروم نہ ہوجائیں۔

اب اس کیفیت کو دیکھ کر خود ہی فیصلہ کریں کہ ان دو میں سے کن مجاہدین کا درجہ زیادہ ہے؟۔

اسلام کے باقی شہداء میں شہدائے بدر کا درجہ بلند ہے جبکہ کربلا کے شہداء کا ان سے بھی درجہ بلند ہے اور جب ان کا درجہ شہدائے بدر سے بلند ہے تو باقی شہداء سے ان کا درجہ خود بخود بلند ہے۔

معزز سامعین!

روایات بیان کرتی ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام جب بھی حضرت سیّدالشہداءؑ کی زیارت کے لیے آتے تو آپؑ شہدائے کربلا پر ان الفاظ میں سلام کیا کرتے تھے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ... يَا اَوْلِيَاءَ اللهِ

''اے اولیاء خداوندی تم پر سلام ہو''۔

امامؑ کے اس جملہ سے شہدائے کربلا کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ذرا غور کیجیے!

شہداء کے ان سرداروں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ ان میں سے ہر شہید حضرت سیّدالشہداءؑ کا حقیقی مقتدی اور ماموم تھا۔ ان کے امام سیّدالشہداءؑ تھے اور یہ آپؑ کے حقیقی مقتدی تھے۔ امام حسینؑ تمام صفات میں ان کے امام تھے اور یہ خوش نصیب آپؑ کے مقتدی تھے۔

ان خوش بخت افراد نے ہر صفت میں آپؑ کی اقتداء کی۔ ان لوگوں نے بھوک اور پیاس میں آپؑ کی اقتداء کی اور حد یہ ہے کہ سروں کے کٹوانے اور نوک نیزہ پر سوار ہونے میں بھی انھوں نے آپؑ کی اقتداء کی۔

امامؑ نے ہر صفت میں ان کی امامت کی اور شہداء نے ہر صفت میں آپؑ کی اقتداء کی۔

چشم فلک نے آج تک نہ تو ایسی امامت دیکھی ہے اور نہ ہی ایسی اقتداء دیکھی ہے۔ انھوں نے ظلم برداشت کرنے میں آپؑ کی اقتداء کی۔ نماز میں آپؑ کی اقتداء

کی اور دشمن کی طرف سے محصور ہونے میں اور پیاس اور روزہ میں آپؑ کی اقتداء کی۔ ابدان سے سر کٹوانے اور نوک نیزہ پر سوار ہونے میں آپؑ کی اقتداء کی تھی اور مرنے کے بعد غسل و کفن نہ ہونے میں بھی آپؑ کی اقتداء کی...... الغرض انھوں نے تمام اعمال وافعال میں حضرتؑ کی اقتداء کی۔

آپ جانتے ہیں کہ سر کے کٹوانے میں انھوں نے امامؑ کی اقتداء کیسے کی؟

شہدائے کربلا میں سے جب بھی کوئی شہید گرنے لگتا تو وہ امامؑ کو صدا دیتا تھا کہ آپؑ میری مدد کو آئیں۔

مقصد کیا تھا کہ آپؑ میری مدد کریں تاکہ دشمن میرا سرتن سے جدا نہ کریں۔ اس میں راز یہ تھا کہ شہدائے کربلا یہ چاہتے تھے کہ وہ سر کٹوانے میں بھی پہل نہ کریں اور اس فعل میں بھی امامؑ کی اقتداء کریں۔ روزِ عاشور میدان کربلا میں صرف امام حسین علیہ السلام کا ہی سر کٹا تھا۔ امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ باقی شہداء کے سر گیارہ محرم کے دن کاٹے گئے تھے۔

اہلِ ایمان بھائیو!

کربلا کے شہداء کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ انھوں نے سیّدالشہداءؑ کو اپنا کعبہ قرار دے کر ان کا حج کیا تھا اور امامؑ ان کے حقیقی کعبہ تھے۔

کبھی آپ نے غور کیا کہ انھوں نے اس کعبۂ حقیقی کا احرام کیسے باندھا تھا؟ اور ''تلبیہ'' کس انداز میں کیا تھا؟ اور طواف اور وقوف کے مناسک کیسے ادا کیے تھے؟ اور انھوں نے کربلائے حسینیؑ کی منیٰ میں کس انداز سے شب بسر کی تھی؟

ذکرِ مصائب! اصحابِ امامؑ اور یومِ عاشور

اب وعظ و نصیحت کا وقت چلا گیا، ہمارا وعظ بھی یہی مصائب ہیں۔ شہداء کے ہم پر بہت سے حقوق ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ آج کے دن کچھ حق ادا کیے جائیں۔

اب جبکہ یہ بات ہم نے واضح کر دی ہے کہ ان کا مقام باقی شہداء کے مقام سے بلند و برتر ہے تو اب ہمیں اجازت دیں کہ ہم یہ دیکھیں کہ یہ لوگ اپنی ذات میں کیسے تھے؟

پہلے میں یہ سوچا کرتا تھا کہ ان شہداء میں سے افضل کون ہے؟ اور فضیلت سے میری مراد شہادت اور واقعات عاشورہ میں افضلیت تھی......

عزادارو!

ان شہداء میں حضرت حبیب بن مظاہر اسدی، مسلم بن عوسجہ اور بریر بن خضیر جیسے افراد بھی شامل ہیں۔ جن کو امیرالمومنینؑ کی صحابیت اور رفاقت کا شرف حاصل ہے۔ اس لحاظ سے ان بزرگواروں کو افضل ہونا چاہیے۔

لیکن میرا یہ مفروضہ صحیح نہ تھا۔ جب میں اب مصائب سیّدالشہداءؑ کا جائزہ لیتا ہوں اور ان کے حالات پر نظر دوڑاتا ہوں تو ہر ایک مجھے ایسی خصوصیت کا حامل دکھائی دیتا ہے جس سے وہ باقی شہداء سے ممتاز دکھائی دیتا ہے۔

میں کچھ اصحابِ اسرار کا تصور کرتا ہوں جو کہ بڑے ہی عبادت گزار تھے اور وہ جہاد میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ مثلاً میں حضرت حبیب کے متعلق سوچتا ہوں تو دکھائی دیتا ہے کہ ان کا تعلق اصحاب پیغمبرؐ سے تھا...... وہ سن رسیّدہ شخص تھے اور حضرت میثم تمار کے درجہ کے صاحب اسرار تھے اور یہی حال حضرت بُریر کا ہے۔

جب فضیلت کے اس زاویہ کو دیکھا جائے تو انسان یہ فیصلہ کرے گا کہ حضرت حبیب جنابِ حُر سے افضل تھے۔ حضرت حُر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ حضرت حبیب کے مقام کو حاصل کرسکیں کیونکہ ان سے غلطی ہوئی تھی۔ حر کے لیے بس یہ بات ہی کافی ہے کہ سیّدالشہداءؑ کے صدقہ میں ان کو نجات مل گئی۔

لیکن اس مقام پر ٹھہر جائیں اور جلد بازی میں یہ فیصلہ نہ کریں کیونکہ حر کو بھی ایسی خصوصیات حاصل ہیں جن کی وجہ سے وہ کسی بھی طرح سے کم درجہ والے دکھائی

نہیں دیتے۔

اس مقام پر پہنچ کر میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر کوئی گناہ گار خدا کے حضور حیاء کرے تو اس کا یہ عمل اسے خدا کے قریب کر دیتا ہے۔ جب کوئی خطا کار اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے خدا کے حضور حیا کرتے ہوئے چیخ و پکار بلند کرتا ہے تو اسے قربتِ خداوندی کا عظیم مقام حاصل ہوتا ہے۔

معزز سامعین!

اب آپ تصور کریں کہ جب امام مظلومؑ ہر طرف سے دشمنوں میں گھر چکے تھے اور حر دشمن کی فوج کے مرکزی افسر تھے اور چار ہزار افراد ان کی کمان میں تھے اور وہ اپنی قوم قبیلہ کے سردار بھی تھے لیکن اس شدت کے عالم میں انھوں نے اپنی خوشی سے اپنے منصب کو چھوڑا اور لشکر کی کمان کو خیر باد کہا اور اپنے اہل و عیال کی محبت کو دل سے نکالا اور امامؑ کی سمت روانہ ہوئے تو کیا یہ بہت بڑا عمل نہیں ہے؟

ہم اس پر بحث نہیں کرتے کہ یہ عملی فضیلت ہے یا نہیں ہے۔ کیا اس کی طرف سے حیا کا اظہار فضیلت نہیں ہے؟ حر یہ سمجھتے تھے کہ انھوں نے ایسی گستاخی کی ہے جس کے بعد توبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ جیسے ہی اس نے امامؑ کو دیکھا تو اس نے اپنے آپ کو مولاؑ کے قدموں پر گرا دیا۔

امامؑ نے فرمایا: شیخ! اپنا سر بلند کرو، تم کون ہو؟

امامؑ کے قدموں پر حر نے سر رکھ کر عرض کیا: ''مولا! میں وہ بدبخت ہوں جس نے آپؑ پر تمام راستے بند کیے تھے۔ اس کے بعد حر نے امامؑ سے عرض کیا:

هَل لِي من توبة

''کیا میرے لیے بھی توبہ کی گنجائش ہے؟''

حر کو اپنی توبہ کے متعلق شک تھا اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اتنی بڑی گستاخی کے بعد

ان کے لیے توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔

جی ہاں بھائیو!

یہ حیا اور اپنی تقصیر کا اس انداز سے اعتراف قربت خداوندی کا موجب ہے کیونکہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ نے ملائکہ سے خطاب کر کے فرمایا:

انین المذنبین احب الی من تسبیحکم

''گناہ گاروں کی چیخ و پکار، آہ و نالہ مجھے تمھاری تسبیح سے زیادہ محبوب ہے''۔

حاضرین مجلس!

اب آپ حضرات یہ فیصلہ کریں کہ حر کے آہ و نالہ کا کیا مقام ہوگا؟ یہی ادب و حیا ہی تھا جس کی وجہ سے سیاہ فام غلام کو شہادت کا تاج نصیب ہوا تھا۔ اسے اپنے رنگ کی سیاہی اور خاندانی وجاہت نہ رکھنے کا احساس تھا اور وہ اس بات سے شرمندگی محسوس کر رہا تھا کہ اس کا سیاہ خون شہدائے بنی ہاشم کے ساتھ کیسے ملے گا تو اس نے پوری خجالت کے ساتھ امامؑ کی خدمت میں عرض کیا:

''مولا! میں سیاہ فام ہوں۔ میرا خون سیاہ ہے۔ کیا اس کے باوجود میں اہل جنت ہونے کا شرف حاصل کر سکتا ہوں''۔

اسی حیاء کی خدا کی نظر میں بڑی قدر و قیمت ہے۔ جب وہ حبشی غلام ''جون'' گھوڑے سے گرا اور امام حسین علیہ السلام اس کی لاش پر پہنچے تو آپؑ نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھَهٗ وَطَیِّبْ رِیْحَهٗ وَاحْشُرْهُ مَعَ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

''خدایا! اس کے چہرے کو سفید فرما اور اس کی سانسوں کو معطر فرما اور اسے محمد و آل محمدؐ کے ساتھ محشور فرما''۔

شہادت کے بعد جب شہداء کو لوگ دفن کرنے کے لیے آئے تو اسی سیاہ فام جنابِ جونؑ کے بدن سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔

انہی علل و اسباب کی وجہ سے ہم یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں کہ شہدائے کربلا میں سے افضل کون اور مفضول کون تھے؟۔

اب آیئے کچھ دیر کے لیے ان شہداء کی مصیبت کا تذکرہ کریں۔ جیسے صبح عاشور نمودار ہوئی تو امامؑ اور آپؑ کے اصحاب نے نمازِ فجر کی تیاری کی۔

کیا انھوں نے نماز کے لیے وضو کیا تھا؟ نہیں! وہاں تو پانی بند تھا۔ اسی لیے انھوں نے وضو کے بدلے تیمم کیا۔

عزادارو!

امام علیہ السلام کے ایک مؤذن تھے، جن کا نام حجاج بن مسروق تھا۔ مکہ سے کربلا تک وہی اذان دیتے رہے تھے لیکن صبحِ عاشورہ ان کی جگہ شہزادۂ علی اکبرؑ نے اذان دی۔ اذان کے بعد حضرتؑ نے نماز پڑھائی اور آپؑ کے خاندان کے افراد اور اصحاب نے آپؑ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

آپؑ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے فرزند علی زین العابدین علیہ السلام کے علاوہ ہم سب قتل ہو جائیں گے''۔

جب اصحاب حسینیؑ نے امامؑ کا یہ فرمان سنا تو سب بے حد خوش ہو گئے اور ان کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے مزاح کیا تو دوسرے صحابی نے کہا کہ کیا آپ مصیبت کی اس گھڑی میں بھی مزاح کر رہے ہیں؟ صحابی نے کہا کہ میری قوم اور میرا قبیلہ جانتا ہے کہ مَیں نے آج سے پہلے کبھی کسی سے مزاح نہیں کیا لیکن! آج اس لیے مزاح کر رہا ہوں کہ مجھے اپنی کامیابی اور سعادت کا یقین ہو چکا ہے کہ چند لمحات بعد ہم حوروں سے ہم آغوش ہونے والے ہیں۔

عاشور کا سورج طلوع ہوا تو عمر سعد (ملعون) نے اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔ اس کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ افراد اور دوسری روایت کے مطابق لشکر میں اسی ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ تھے۔ کسی روایت میں اس سے زیادہ تعداد بیان نہیں ہوئی۔ جن علماء نے تعداد کم بیان کی ہے انھوں نے بھی لکھا ہے کہ قومِ اشقیاء کی کم از کم تعداد تیس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔

بہرنوع صف بندی ہوئی جس کا امیر لشکر ابن سعد (ملعون) تھا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا اور ایک مشیر تھا۔ میمنہ پر عمرو بن الحجاج اور میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن کو مقرر کیا گیا اور تیراندازوں کا سربراہ محمد بن اشعث تھا۔

یہ سارا لشکر مظلوم کے مدمقابل آ کر کھڑا ہوا۔ مقابلہ میں حضرت سیّدالشہداء نے بھی اپنا لشکر مرتب کیا اور میمنہ و میسرہ کو تشکل دیا۔ آپؑ کے لشکر میں 42 پیادے اور تیس سوار تھے یا اس کے برعکس تھے۔ میمنہ کا سالار حبیب بن مظاہر کو مقرر کیا گیا اور میمنہ زہیر بن القین کے سپرد کیا گیا۔ ''علم'' حبیب کے ہاتھ میں تھا اور حسینیؑ پرچم حضرت ابوالفضل العباسؑ کے سپرد کیا گیا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مدمقابل آئے۔ ابن سعد نے قلب لشکر میں کھڑے افراد سے کہا تم اپنی جگہ کھڑے رہو۔ پھر اس نے اپنے لشکر سے کہا کہ تم میمنہ اور میسرہ کا گھیراؤ کرو۔

ابن زیاد کا لشکر مرتب ہوا تو اس کا طول ایک فرسخ تھا اور اس کا عرض بھی ایک فرسخ تھا۔ ظالم لشکر نے امامؑ اور خیمہ گاہ کا احاطہ کر لیا اور چاروں طرف حلقہ باندھ لیا۔

توجہ فرمائیں!

دنیا کے طلب گار کتے ابن سعد (ملعون) نے ''رے'' کی جاگیر کے لالچ میں اپنے غلام ''درید'' کو صدا دی کہ اپنا پرچم قریب لے آ اور مجھے میرا تیر کمان دے۔ پھر

اس نے کمان میں تیر چڑھایا اور پورے لشکر کو گواہ بنا کر کہا کہ گواہ رہنا سب سے پہلا تیر مَیں نے مارا ہے۔ جب اس لعین ازلی کا تیر روانہ ہوا تو اس کے بعد تیراندازوں نے تیروں کی بارش کر دی۔

میں نہیں جانتا کہ حسینیؑ لشکر پر کتنے تیر برسائے گئے، آج تک مَیں نے کسی بھی مجلس میں یہ مصائب نہیں پڑھا۔ بارہ ہزار تیر بیک وقت کمانوں سے روانہ ہوئے۔ آخران تیروں سے کیا نتیجہ برآمد ہوا ہوگا؟

حدیث صحیح میں بیان کیا گیا ہے کہ اس تیراندازی میں امامؑ کا آدھا لشکر شہید ہو گیا۔

یہ صبح کا وقت تھا جب امام علیہ السلام کا آدھا لشکر شہید ہو گیا۔ اس کے بعد باری باری مبارزہ شروع ہوا۔ ہر مجاہد نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ ہر ایک نے میدان میں پہنچ کر اپنا تعارف کرایا اور رجز پڑھے لیکن یہ چیز ہماری آج کی مجلس کا موضوع نہیں ہے۔

آپؑ کے کچھ اصحاب آپؑ کے سامنے سپر بن کر کھڑے ہو گئے۔ کچھ اصحاب سیّدالشہداءؑ کے گھر کے گرد چکر لگانے لگے جو اصحاب امامؑ کے سامنے کھڑے تھے ان کے چہرے میدان کی طرف تھے اور ان کی پشت امامؑ کی طرف تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ جو بھی تیر یا پتھر آئے تو ان کو لگے اور امامؑ محفوظ رہیں۔

سامعین!

میں ان مجاہدین اور عصر حاضر کے جھوٹے دعویداروں کا فرق بیان کرنا چاہتا ہوں۔ حسینیؑ لشکر کے ایک مجاہد کا نام سعید بن عبداللہ تھا۔ وہ امامؑ کے بچاؤ کے لیے آپؑ کے آگے سپر بن کر کھڑا ہوا اور اس کے چہرے اور حلق پر تیرہ تیر لگے۔

ملاحظہ کیجیے حسینیؑ جانثار اور عصر حاضر کے لوگوں کے درمیان کتنا فرق ہے؟

آج کے لوگوں نے سونا چاندی کو دین بنا لیا ہے۔ سعید زخموں کی تاب نہ لا کر گرے۔ دیکھیے وہ اپنے عمل کو کتنا کم تر سمجھتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام ان کے سرہانے پہنچے تو سعید نے امامؑ سے عرض کیا:

''مولاؑ! کیا مَیں نے وفا کی ہے؟''

امامؑ نے فرمایا: ''جی ہاں! میں جنت میں تجھ سے ملاقات کروں گا؟''

گناہوں اور بدکاریوں میں ڈوبے ہوئے لوگو! ذرا غور کرو۔ حضرت سعید کے دل، جگر اور چہرے پر تیر لگے تھے لیکن اس کے باوجود بھی انھیں اپنے متعلق شک تھا۔ اسی لیے انھوں نے امامؑ سے پوچھا کہ کیا مَیں نے وفا کی ہے؟ آپ لوگوں کی تو یہ کیفیت ہے کہ آپ بدکاریوں سے امامؑ کے دل پر تیر چلاتے ہیں، اس کے باوجود بھی آپ کو اپنی نجات کا یقین ہے؟

کم از کم اپنی حالت دیکھ کر آپ کو خوف نہیں ہوتا۔

اچھا ان باتوں کو رہنے دیں ہمارے سامنے ایک اور موضوع ہے۔

عاشور میں جتنے بھی افراد شہید ہوئے سب کے یقین کا وہی عالم تھا جو حبیب، بریر اور مسلم بن عوسجہ کا تھا۔ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔

ایک حسینیؑ جانباز مغموم بیٹھا ہوا تھا۔ جب امامؑ نے مغموم ہونے کی وجہ پوچھی تو اس نے عرض کیا کہ مولا! میری پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ آپؑ پر قربان کرنے کے لیے میرے پاس صرف ایک روح ہے۔ کاش! میرے پاس زیادہ جانیں اور زیادہ روحیں ہوتیں تو سب جانیں اور سب ارواح کو آپؑ پر قربان کرتا۔

عزادارو!

مَیں نے کل کی مجلس میں عرض کیا تھا کہ بعض اوقات کسی شخص کے ساتھ مماثلت ممکن ہوتی ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ جو سیّدالشہداءؑ کی حالت کا تصور کر

کے یہ کہے:

يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ (النساء: ۷۳)

''ہائے کاش! میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوتا''۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اتنا بڑا مرتبہ صرف زبانی جمع خرچ سے حاصل ہوتا ہے؟ یا اس کے لیے حقیقی تمنا ضروری ہے؟ اب اس کا فیصلہ خود آپ نے ہی کرنا ہے۔ یقیناً یہ بہت بڑا دعویٰ ہے...... خدارا! اپنے آپ کو دھوکہ مت دیں۔ کیا آپ حقیقی طور پر تیار ہیں کہ ان مصائب کو برداشت کریں جنہیں کربلا کے شہیدوں نے برداشت کیا تھا اور کیا آپ میں یہ حوصلہ ہے کہ حسینیتؑ کے لیے اپنی صحت، جسمانی سلامتی اور دنیاوی نعمات کو چھوڑ سکتے ہیں؟

میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کروں گا کہ صرف زبان سے يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ کہنے والے افراد کو خدا شہیدانِ کربلاؑ کا درجہ عطا کر دے گا۔

یہ صرف خواب اور جھوٹ ہے۔ آپ کی حالت ایسی نہیں ہونی چاہیے۔ اس طرح کی استعداد اور تیاری کی کیفیت کم از کم مجھے اپنے اندر تو دکھائی نہیں دیتی۔

جی ہاں! روزِ عاشور ایک ایسی حالت بھی تھی کہ اگر آپ وہاں موجود ہوتے تو آپ بے ساختہ اس کی تمنا کرتے۔ وہ ظہر کے قریب وقت تھا یا ظہر کے بعد کا وقت تھا جب معاملات میں انتہائی شدت آ چکی تھی۔

اصحاب حسینؑ کی اکثریت شہید ہو چکی تھی۔ حسینی ؑ خیام کے گرد خندق میں آگ جل رہی تھی۔ اس خندق کے کھودنے کا حکم امامؑ نے دیا تھا تا کہ دشمن خیام کی طرف رخ نہ کر سکے۔

عمر بن سعد (ملعون) نے شہیدان کربلا کے خیام میں آگ لگانے کا حکم دیا۔ دونوں مقامات (خندق اور خیام) سے آگ کے شعلے بلند ہوئے، گھوڑوں کا اڑایا

ہوا غبار علیحدہ تھا اور آگ اطراف و اکناف سے شعلہ ور ہو رہی تھی۔ ایک طرف سے آگ کی تپش تھی اور سورج کی گرمی اس پر مستزاد تھی۔

اس عالم میں امام علیہ السلام نے بچوں کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ آپؑ چاہتے تھے کہ پریشان حال بچوں کو تسلی دیں۔ اچانک خاندانِ نبوت کی پروردہ مستوراتِ عصمت خیام سے باہر آ گئیں۔ اس وقت امام علیہ السلام نے اپنے بچے ہوئے اصحاب کو حکم دیا:

''اے وارثانِ تنزیل! اہلِ حرم کی حفاظت کرو''۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

ساتویں مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام حسین علیہ السلام کی مخصوص صفات

عزادارو!

میرے ماں باپ ، میری جان، میرا مال اور میرے اہل و عیال امام حسینؑ مظلوم پر قربان۔

میرے ماں باپ، میری جان، میرا مال اور میرے اہل و عیال
امام حسینؑ مذبوح پر قربان۔
میرے ماں باپ، میری جان، میرا مال اور میرے اہل و عیال
منفرد امام حسینؑ پر قربان۔
میرے ماں باپ، میری جان، میرا مال اور میرے اہل و عیال
حسینؑ پر قربان جو ہر چیز میں منفرد اور ممتاز ہیں۔

آج میں حضرت سیّدالشہداءؑ کی چند صفات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ موضوعِ فضیلت سے صرف نظر کرتے ہوئے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ امام حسین علیہ السلام کی کچھ مخصوص صفات ہیں جبکہ فضیلت ایک علیحدہ موضوع ہے۔

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت رسولِ خدا، خدا کی تمام مخلوقات سے افضل ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ باقی تمام آئمہ ہدیٰ

علیہم السلام سے افضل ہیں۔ لہٰذا ہم یہاں حضرت سیّدالشہداءؑ کی افضیلت کے عنوان پر گفتگونہیں کررہے ہیں۔

اس کے بجائے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ امامؑ کی کچھ مخصوص صفات ہیں جن میں اورکوئی معصوم شریک نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ آپؑ سے افضل شخصیات بھی ان صفات میں آپؑ کی شریک نہیں ہیں۔

مَیں نے اس موضوع پر اپنی کتاب ''الخصائص الحسینیہؑ'' میں تفصیلی بحث کی ہے اور مَیں نے آپؑ کی خصوصیات کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔

اس وقت مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ حضرت سیّدالشہداءؑ خصائص کا مجسمہ ہیں۔ مجھے تو ہر چیز میں امام حسینؑ کا امتیاز اوران کی انفرادیت دکھائی دیتی ہے۔

آپ حضرت سیّدالشہداءؑ کی ذات پر سرسری سی نظر ڈالیں تو آپ کو ان کی پوری زندگی خصائص سے عبارت دکھائی دے گی۔ خلقت نورانیہ سے ہی آپؑ کے خصائص کا آغاز ہوتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت کے دن تک مبعوث ہونے تک جاری و ساری دکھائی دیتا ہے اور آپؑ اپنی جملہ صفات میں تمام معصومینؑ سے ممتاز اورمنفرد دکھائی دیتے ہیں۔

معزز سامعین!

آپؑ کے نور کو امتیاز حاصل ہے۔ عالم ظِلال میں آپؑ کے ظِل (سایہ) کو بھی امتیاز حاصل ہے اور اصحابِ کساء کے اسمائے مبارکہ میں آپؑ کے نام کو بھی امتیاز حاصل ہے۔

آپؑ کا نام بذات خود امتیاز کا حامل ہے۔

آپؑ کے نام کا رکھا جانا بھی امتیاز کا حامل ہے۔

آپؑ کے نام رکھے جانے کی کیفیت کو بھی امتیاز حاصل ہے۔

آپؑ کی ولادت کی خبر دیئے جانے کو بھی امتیاز حاصل ہے۔

شکم مادرؑ میں بھی آپؑ کو امتیاز حاصل ہے۔

آپؑ نے راہ خدا میں اپنا سر قربان کیا اس کو بھی امتیاز حاصل ہے۔

آپؑ کی خاک کو بھی امتیاز حاصل ہے۔

اسی طرح سے آپؑ روز قیامت تک نگاہ دوڑائیں تو ہر مقام پر امام مظلومؑ ممتاز دکھائی دیں گے۔ حد یہ ہے کہ قیامت کے دن آپؑ کا محشور ہونا بھی امتیاز کا حامل ہے۔

عزادارو!

حدیث میں وارد ہے کہ حضرت سیّدہ خاتونِ جنتؑ قیامت کے دن یہ خواہش کریں گے کہ میں آج حسینؑ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتی ہوں جو حالت انؑ کی عاشور کے دن تھی۔ اس وقت ندا آئے گی:

''فاطمہؑ! قلبِ محشر میں نگاہ کریں۔

حضرت سیّدہؑ نظر کریں گی تو حسینؑ سر کے بغیر کھڑے دکھائی دیں گے۔

بات یہیں پر تمام نہیں ہوتی بلکہ آپؑ کے مدفن کی خاک کو بھی امتیاز حاصل ہے۔

آپؑ کے مدفن کی تربت کو رسولِ اکرمؐ کے مدفن اور امیرالمومنینؑ کے مدفن کی تربت پر بھی امتیاز حاصل ہے۔

بطورِ مثال یوں سمجھیے کہ آج تک کسی بھی شخص کے قبر میں دفن ہونے سے پہلے کسی نے بھی اس کی قبر کی زیارت نہیں کی۔

کیا آپ نے کسی روایت میں یہ پڑھا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کی تدفین سے قبل کسی نے ان کی قبر کی زیارت کی تھی؟ یا کسی نے امیرالمومنینؑ کی تدفین سے قبل آ کر

خاکِ نجف کی زیارت کی تھی؟

لیکن کربلا کا معاملہ سب سے جداگانہ ہے۔

حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ سیّدالشہداءؑ کی شہادت اور آپؑ کی تدفین سے قبل جملہ انبیاءؑ نے آپؑ کے مقامِ تدفین کی زیارت کی تھی اور انھوں نے زمینِ کربلا کو خطاب کر کے یہ کہا تھا:

اِنَّكَ لَبُقْعَةٌ كَثِيْرَةُ الْخَيْرِ فِيْكَ يُدْفَنُ الْقَمَرُ الْاَزْهَرُ

''زمینِ کربلا! تُو بہت ہی خیر و برکت والی ہے، تجھ میں ایک دن روشن چاند دفن کیا جائے گا''۔

آپؑ کے امتیازات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کربلا کی خاک پر سجدہ کرنے سے ساتوں طبقات روشن ہو جاتے ہیں۔

خاکِ کربلا کی بنی ہوئی تسبیح کا خاص اجر ہے اور حد یہ ہے کہ اگر آپ کے ہاتھ میں خاکِ کربلا کی تسبیح ہو اور آپ اس پر ذکر تسبیح نہ بھی کر رہے ہوں تو بھی وہ خاک کی تسبیح خدا کی تسبیح کرتی ہے اور اس کا ثواب آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

سید مہدی بحرالعلوم (رضوان اللہ علیہ) نے ایک نظم میں یہ جملے کہے تھے:

اکرم بھا من سبحة مرجحة
عن حامل یحملھا مسبحة

''کیا کہنا خاکِ کربلا کی تسبیح کے جو اپنے اٹھانے والے کے لیے خدا کی حمد و ثناء بجالاتی ہے''۔

خوب توجہ فرمائیں!

یہ کتنا بڑا مقام ہے اور دیکھیں کہ اللہ نے سیّدالشہداءؑ کو کیا کچھ عطا کیا ہے۔

تربتِ کربلا کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اسے حنوط کے ساتھ مخلوط کرنا مستحب ہے۔ جب کفن اور کافور تیار کیا جائے تو اس میں اس تربت کو شامل کرنا چاہیے اور جب سات اعضائے سجدہ پر حنوط کیا جائے تو اس میں خاکِ کربلا شامل ہونی چاہیے۔

کفن پر جو عبارت لکھی جائے وہ خاکِ کربلا کے ساتھ لکھنی چاہیے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ خط خوبصورت ہو کیونکہ اس تحریر کو ملائکہ نے پڑھنا ہے اور وہ خوش خطی کے محتاج نہیں ہیں۔

کچھ لوگوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کفن کی عبارات پر اعراب لگایا جائیں۔ یاد رکھیں اعراب غیر ضروری ہیں۔

خاکِ کربلا کے غبار سے غبار آلود ہونے کی بھی فضیلت ہے۔ جہاں تک اس تربت کا ذریعہ شفا ہونے کا تعلق ہے تو اسے تمام اہل ایمان جانتے ہیں۔

تعویذ اور حفاظت کی غرض سے تربت کربلا کا ساتھ رکھنا دعا کا سا اثر رکھتا ہے۔اس کی ایک خاصیت یہ ہے کہ جب مومن کربلا پہنچتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے اور جب اس کی نظر سیّدالشہداءؑ کی قبر پر پڑتی ہے تو پھر دل کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ یہ ایمان کی علامت ہے۔

جو بھی آپؑ کی قبر پر نظر کرتا ہے تو وہ آپؑ سے ہمدردی محسوس کرتا ہے اور یہی حال امیرالمومنین علیہ السلام کی قبر کے قدموں کے پاس کھڑا ہونے کا ہے۔

اسی طرح سے آپؑ کے باقی معاملات بھی اپنے اپنے مقام پر منفرد اور ممتاز ہیں۔

روزِ عاشور کے لحاظ سے بھی آپؑ کے لیے صفات مخصوص ہیں۔

آپؑ گریہ کرتے تھے، آپؑ صبر کرتے تھے، آپؑ مضطرب تھے، لیکن

اضطراب کے باوجود آپؑ کی ذات پُروقار دکھائی دیتی تھی۔

آپؑ گریہ کرنے والے صابر تھے۔ آپؑ خاک و خون میں غلطاں تھے لیکن اس وقت بھی آپؑ کا چہرہ نورانی تھا اور جہاں تک آپؑ کے دوسرے حالات کا تعلق ہے تو وہ ایک وسیع مضمون ہے جس کے لیے ایک مجلس ناکافی ہے کیونکہ آپؑ کے جملہ حالات آپؑ کے ساتھ خاص ہیں اور حد یہ ہے کہ آپؑ کو جس طرح سے قتل کیا گیا وہ بھی آپؑ کے ساتھ خاص ہے۔ دنیا میں آج تک کسی کو یوں قتل نہیں کیا گیا جیسا کہ آپؑ کو قتل کیا گیا تھا۔ آپؑ کے قتل کی کیفیت بھی آپؑ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب میں امام حسینؑ کی شہادتِ عظمیٰ بیان کروں گا تو اس میں آپؑ کے قتل کی خاصیت کو بھی واضح کروں گا۔

ذکرِ مصائب! جنابِ قاسمؑ کی شہادت اور عُروسی منظر

عزادارو!

آج مجھے کسی اور عنوان پر گفتگو کرنا ہے کیونکہ ہر دن ایک مخصوص مصیبت کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح سے امام مظلومؑ اپنی شہادت میں بے مثال ہیں اسی طرح سے آپؑ کے ساتھی بھی مخصوص امتیازات کے حامل ہیں۔

اب میں شہدائے اہل بیتؑ کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی گفتگو کا آغاز ایک ایسے شہید کے ذکر سے کرنا چاہتا ہوں جسے باقی شہداء پر ایک مخصوص امتیاز حاصل تھا۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ یہ شہید باقی شہدائے اہل بیتؑ سے بڑا دلیر تھا ان سے افضل تھا۔

اس شہید کو ''انکسار قلب'' میں امتیاز حاصل تھا۔ اس شہید کی خاصیت یہ تھی کہ اس کے دل میں انکسار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور حضرت سیّدالشہداءؑ کے دل میں ان کے انکسار نے بڑا اثر کیا تھا۔

وہ صاحب انکسار شہید کون تھا؟

وہ سید مؤتمن قرین المصائب والمحن حضرت قاسمؑ بن حسنؑ تھے۔

اس شہید کا امتیاز یہ ہے کہ جتنے بھی شہداء نے جنگ میں حصّہ لیا تو وہ سب کے سب بالغ تھے اور خدا کی طرف سے جہاد کے لیے مکلّف تھے۔

اہل بیت علیہم السلام کے کچھ کمسن بچے بھی شہید ہوئے تھے لیکن وہ جہاد کے لیے خیام سے باہر نہیں آئے تھے۔ اہل بیتؑ کے افراد میں سے اگر کسی نابالغ نے جہاد کیا ہے تو وہ صرف حضرت قاسمؑ ہی تھے۔ اہلِ بیتؑ کے بچوں کی طرح سے اصحاب کے کچھ بچے بھی شہید ہوئے جیسا کہ ایک بڑھیا کے کمسن بچہ کو شہید کیا گیا۔

کربلا میں جو بھی موجود تھا اس نے اپنے روح کی قربانی دی اور کچھ افراد ایسے بھی تھے جنہوں نے روح سے بھی عزیز چیز قربان کی۔ چنانچہ! کربلا میں موجود دو ضعیف خواتین اس کی مثال ہیں۔ ان میں ایک خاتون کا نابالغ بچہ تھا اور جب اس کا والد شہید ہو گیا تو وہی نابالغ بچہ گھوڑے پر سوار ہوا اور امام مظلومؑ سے اذن جہاد حاصل کرنے کے لیے آیا۔

آپؑ نے بچّے سے فرمایا: تمھارا والد شہید ہو چکا ہے اور اب تم ہی ماں کا واحد سہارا ہو وہ تمھارے جانے پر راضی نہیں ہو گی۔

بچہ نے جواب دیا: فرزند رسولؐ! مجھے میری والدہ نے تو جنگی سامان پہنا کر بھیجا ہے۔

بہر نوع! حضرت قاسمؑ کے انکسارِ قلب کے ایک ایک لفظ کو میں پوری وضاحت سے بیان کروں گا۔

اس شہید کے متعلق سید ابنِ طاوؤس نے یوں لکھا ہے: آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہیے سید موصوف خالص واقعات کو پوری تحقیق سے لکھا کرتے تھے اور واقعات

میں مرثیہ جات کو بھی شامل نہیں کرتے تھے۔ آپ نے پوری بالغ نظری سے واقعات کو لکھا ہے کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ دقت و تحقیق صرف احکام کے لیے ہی مخصوص نہیں ہے۔ واقعات کے نقل کرنے میں اسی طرح کی دقت اور تحقیق کی ضرورت ہے۔

سید ابن طاوٗس لکھتے ہیں: جنابِ قاسمؑ بن حسنؑ باہر آئے جب کہ وہ کمسن بچّے تھے اور ابھی وہ بلوغت کو نہیں پہنچے تھے۔

حضرت قاسمؑ کی عمر کم از کم تیرہ برس کی ہو گی کیونکہ دو آئمہ (حسنؑ و حسینؑ) کی مدت امامت میں گیارہ ہی برس کا فرق پایا جاتا ہے۔

سید مرحوم نے یہ جملے لکھے ہیں:

فَلَمَّا نَظَرَ الْحُسَيْنُ قَدْ بَرَزَ اِعْتَنَقَهُ وَجَعَلَا يَبْكِيَانِ حَتّٰى غُشِيَ عَلَيْهِمَا

”جب امام حسین علیہ السلام نے حضرت قاسم علیہ السلام کی طرف نظر کی تو آگے بڑھ کر گلے لگایا اور بے ساختہ رونے لگے یہاں تک کہ دونوں بے ہوش ہو گئے“۔

مَیں نہیں جانتا کہ اتنے گریہ کا مقصد کیا تھا؟ اور اس گریہ کی شدت میں کیا راز پوشیدہ تھا؟ تاریخ بیان کرتی ہے کہ دوسرے شہداء نے بھی امامؑ سے اجازت طلب کی تھی لیکن امامؑ نے کسی کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا۔

بہر نوع! غشی ختم ہوئی اور حضرت قاسمؑ نے اجازت طلب کی تو امامؑ نے اجازت نہ دی۔ شہیدانِ حق کی فہرست میں یہ واحد شہید ہے جسے امامؑ نے منع کیا تھا۔ جوان نے امامؑ کے ہاتھ پاؤں چومنے شروع کیے تھے۔

اب ہم حضرت قاسمؑ کی اس مصیبت کو بیان کرتے ہیں جسے لوگ بیان کرتے ہیں اور کچھ لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

اس مصیبت کو ''عروسی قاسمؑ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ حضرت قاسمؑ کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔

اس موضوع کا اجمال یہ ہے کہ جب حضرت قاسمؑ کو ان کے چچا نے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت نہ دی تو وہ خیمہ کے ایک کونے میں بیٹھ کر سوچنے لگے۔ انھیں یاد آیا کہ ان کے عظیم والد نے ایک تعویذ کو ان کے بازو پر باندھا تھا اور یہ وصیت کی تھی کہ بیٹا! جب معاملات انتہائی مشکل ہو جائیں تو اس تعویز کو کھول کر اس کے مطابق عمل کرنا۔

عزادارانِ امامؑ مظلوم!

حضرت قاسمؑ نے اپنے والدؑ کا رقعہ اٹھایا اس میں یہ الفاظ بھی لکھے تھے:

''اگر تمھارا چچا تمہیں میدان میں جانے سے منع کرے تو پھر اصرار کرنا''۔

امامؑ نے بھائی کے اس رقعہ کو پڑھا اور فرمایا کہ میرے بھائی نے تمھارے لیے ایک اور وصیت بھی کی تھی، انھوں نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ میں تیری تزویج اپنی دختر فاطمہؑ سے کروں۔ میرے بھائیؑ کی وصیت پر عمل ہونا چاہیے۔

پہلے مصائب میں ایک اور مصیبت کا اضافہ کریں۔ حتیٰ کہ تمھارا عقد زواج بھی مصیبت ہے! پھر امامؑ نے نکاح کا صیغہ جاری کیا۔

فاطمہ بنت الحسینؑ کی شادی کے حالات اہل بیت کی دوسری شادیوں کے مانند نہیں تھے۔ اس مظلوم بی بیؑ کا نکاح ان کی دادی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے نکاح کے مانند نہیں تھا۔

عزادارو!

کیا حضرت علیؑ کی شادی اور حضرت قاسمؑ کی شادی کے درمیان کوئی مشابہت بھی پائی جاتی ہے؟۔

جب حضرت فاطمہؑ زہرا کی شادی ہوئی تھی تو جنت کو سجایا گیا تھا اور خوبصورت آنکھوں والی حوروں نے شادی کے رجز پڑھے تھے اور ''طہٰ'' اور ''طواسین'' کی تلاوت کی تھی۔

شجرہ طوبیٰ نے خلعتیں نچھاور کی تھیں۔ حوروں نے جنت میں جشن منایا تھا۔ لیکن! جب فاطمہؑ بنت الحسینؑ کا نکاح ہوا تو جنت کی تمام حوریں سر پیٹ رہی تھیں اور سینوں پر ماتم کر رہی تھیں۔ پوری جنت پر افسردگی کا راج تھا اور آسمان اس شادی میں اپنی طرف سے ایک چیز نچھاور کر رہا تھا اور اس کی نچھاور کردہ چیز خون تھا۔

یہ شادی دنیا کی شادیوں سے مختلف تھی کیونکہ رواج یہ ہے کہ شادی کے لیے خیمے وغیرہ لگائے جاتے ہیں جہاں باراتی آ کر جمع ہوتے ہیں، پھر مشروبات سے ان کی تواضع کی جاتی ہے اور مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔

دولہا دلہن کے لیے حجلہ عروسی سجایا جاتا ہے۔ شادی میں مہندی، زیور دیئے جاتے ہیں اور آنے والے لوگوں کو ولیمہ دیا جاتا ہے۔ دولہا دلہن نئے لباس زیب تن کرتے ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ اس شادی کے انتظامات کی کیا کیفیت تھی۔

عقد کی مجلس ...... خیمہ گاہ تھی۔

مشروبات کی مجلس ...... مقتل تھی۔

اس شادی کا حجلہ عروسی بھی تھا۔ دولہا کی سیج کیسی تھی۔

اس کی سیج شہداء کی لاشیں تھیں جن پر قاسمؑ کی لاش رکھی گئی تھی۔ سیّد الشہداءؑ نے قاسم علیہ السلام کی لاش کو باقی شہداء کی لاشوں پر رکھا تھا۔

اس شادی کی مہندی کی رسم دوسری مہندیوں سے جدا تھی۔

شوہر کو مقتل میں خون کی مہندی لگائی گئی۔

دلہن کی مہندی کی رسم تو ادا نہ ہو سکی تھی البتہ اس مظلومہ دلہن کو اپنے دولہے کے

خون سے مہندی لگانی پڑی۔ مہندی کے رسومات کی تکمیل اس وقت ہوئی جب دلہن کے کانوں سے گوشوارے اتارے گئے۔

ماتم دارو!

سسر نے اپنے داماد بھتیجے کو ''سیج'' پر لٹانے کے لیے اٹھایا اور اسے ''سیج'' پر آ کر لٹا دیا۔ وہ سیج شہداء کے جنازے تھے جن پر قاسمؑ کو لٹایا گیا تھا۔

پھر چچا نے اپنے داماد سے معذرت کرتے ہوئے یہ کہا:

عَزَّ وَاللّٰہِ عَلٰی عَمِّكَ اَنْ تَدْعُوَہُ فَلَا يُجِيْبُكَ اَوْ يُجِيْبُكَ فَلَا يَنْفَعُكَ

''اللہ کی قسم! تیرے چچا کے لیے یہ بات گراں ہے کہ تُو اسے آواز دے اور وہ تجھے جواب نہ دے اور اگر جواب بھی دے تو اس کا جواب دینا تمہیں کوئی فائدہ نہ دے سکے''۔

دولہا یہاں اپنے چچا کے سینہ پر تھا اور دلہن اپنی پھوپھی کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ چچا نے بھتیجے سے معذرت کی اور جب دلہن کے سر سے شامِ غریباں چادر اُتر گئی تو بی بیؑ منہ کے بل زمین پر گری۔

اتنے میں پھوپھی آئی اور کہا: بیٹی! اٹھو۔ دلہن نے جواب دیا کہ پھوپھی کیسے اٹھوں میرے والد کا قاتل میری چادر اتار کر لے گیا ہے۔ اب اٹھوں تو کیسے؟

اس وقت پھوپھی نے بھتیجی سے معذرت کرتے ہوئے کہا بیٹی! اٹھو عمتك مثلك ''تیری پھوپھی بھی تیری طرح سے ہے۔ یعنی میری بھی چادر ظالموں نے لوٹ لی ہے۔

سامعین!

دیکھیے! دولہا اور دلہن میں کسی قدر مشابہت تھی؟ دولہا کو میدان میں تلوار لگی اور

وہ منہ کے بل زمین پر گرا اور دلہن کو شامِ غریباں ایک ظالم نے نیزہ مارا تو دلہن بھی زمین پر گر گئی۔

دولہا اور دلہن میں ''زفاف'' بھی ہوا تھا لیکن اس کی وہ نوعیت نہ تھی جو کہ باقی لوگوں کے زفاف کی ہوتی ہے۔

''عقد'' عاشور کے دن ہوا اور ''زفاف'' گیارہ محرم کے دن اس وقت ہوا جب مظلومہ دلہن اپنے دولہا کی لاش پر آئی۔

جب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ڈولی امیرالمومنینؑ کے گھر لائی گئی تو آگے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ بی بیؑ کے داہنے طرف جبریلؑ تھے اور بائیں طرف میکائیلؑ تھے اور دونوں فرشتوں کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے۔

رسولِؐ خدا کی ازواج نے بھی شادی کے جلوس میں شامل ہو کر رجز پڑھے تھے۔ ادھر حضرت قاسم کی دلہن کی شادی کا جلوس بھی نکلا تھا۔ جب آپؑ کو زفاف کے لیے لایا گیا تو اس وقت بی بیؑ کے والد شہید ہو کر زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شادی ہوئی تو رسولِؐ اللہ نے انتہائی مختصر جہیز دے کر روانہ کیا تھا جبکہ امام مظلومؑ کی شہزادی کے جہیز میں کچھ بھی نہ تھا۔

جب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ڈولی روانہ ہوئی تو خواتین نے خوبصورت ترانے پڑھے تھے لیکن اس زفاف پر جو ترانہ پڑھا گیا وہ وہی تھا جسے حضرت زینب کبریٰؑ نے لاش حسینؑ پر پڑھا تھا اور اس میں سیّدہؑ نے کہا تھا:

یَا مُحَمَّدَاہُ! ھٰذَا حُسَیْنٌؑ بِالْعَرَآءِ......

''نانا جانؐ! یہ آپ کا فرزند حسینؑ ہے جو صحرا میں پڑا ہوا ہے''۔

عزادارو!

عرب میں رواج ہے کہ شادی کے دوسرے دن خواتین شادی والے گھر آتی

ہیں اور سہرے پڑھتی ہیں۔ یہاں بھی یہ رسم پوری ہوئی تھی۔ لیکن کہاں پوری ہوئی؟ یہ رسم مقتل میں نوحہ خوانی اور مرثیہ خوانی کے ساتھ ادا کی گئی تھی۔

شادیوں کا دستور ہے کہ دولہا نئے اور خوبصورت کپڑے پہنتا ہے اور رشتہ دار خواتین دولہا کی چادر پر ایک اور چادر ڈال کر اس کے چاروں اطراف سے پکڑ کر مبارک باد دیتی ہیں۔ مجھے اس شادی کے دولہا کا علم نہیں ہے البتہ اتنا جانتا ہوں کہ جب مقتل میں مظلومہ دلہن پہنچی تو دیکھا کہ اس کے دولہے کا لباس اور عمامہ لٹ چکا تھا۔ حسینؑ دولہا جسے مظلوم نے شہداء کے لاشوں پر لٹایا تو جب دلہن وہاں پہنچی تو وہ اپنی سیج سے اتر کر زمین پر لیٹا ہوا تھا۔

شاید اسے اس ''سیج'' سے اتار کر زمین پر لٹایا گیا اور اس کا سر تن سے جدا کیا گیا۔

سامعین!

یہ شادی کی کیفیت تھی۔ مَیں نے زندگی میں پہلی مرتبہ ان کی یہ مصیبت پڑھی ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

آٹھویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آٹھ محرم الحرام اور خاندانِ رسالتؐ کے گرد محاصرہ

آج محرم الحرام کی آٹھویں تاریخ ہے۔ آج کے دن سے امامؑ کے گرد محاصرہ تنگ ہو چکا ہے اور آپؑ پر سختی بڑھا دی گئی ہے۔

آٹھ تاریخ سے دشمن کے لشکر میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور صبح و شام لشکروں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔

آج کا دن تھا یا آنے والے کل کا دن تھا کہ ابن زیاد (ملعون) نے عمر بن سعد کو خط لکھا کہ مَیں نے تیرے پاس سوار اور پیادہ بھیجنے میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔

ظالم لشکر نے ہر طرف سے امامؑ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی محاصرہ کو دیکھ کر ''حرؑ'' چیخ اٹھا اور اس نے لشکر سے کہا:

''تم اسےؑ مجبور کر کے یہاں لائے ہو اور ہر طرف سے تم نے انؑ کا گھیراؤ کر لیا ہے تم نے تو حسینؑ کو گرفتار کر لیا ہے''۔

سامعین!

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ محاصرہ کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ حر کو آخرکار یہ کہنا پڑا تھا کہ تم لوگوں نے تو امامؑ کو گرفتار کر لیا ہے۔

امامؑ کے گرد محاصرے کے دو مقاصد تھے: ایک مقصد یہ تھا کہ کوئی امامؑ کے

ساتھ شمولیت اختیار نہ کرے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ امامؑ ان کے نرغہ سے نکل کر کسی دوسری جگہ نہ چلے جائیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ کربلا کے قرب و جوار میں بنی اسد کا قبیلہ رہائش پذیر تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے حضرت حبیب بن مظاہر کو ان کے پاس بھیجا تاکہ وہ انھیں آپؑ کی نصرت پر آمادہ کریں۔ چنانچہ حبیب ان لوگوں کے پاس گئے اور انھیں وعظ و نصیحت کی۔ ایک سردار نے امامؑ کی مدد کی حامی بھری۔ اس کے ساتھ اس کے قبیلہ کے نوجوان بھی نصرت امامؑ کے لیے کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔

ابن سعد (ملعون) کو ان کی آمد کا علم ہوا تو اس نے ''ازرق'' ملعون کو چند ہزار افراد کا لشکر دے کر روانہ کیا اور یوں وہ لوگ کربلا میں نہ پہنچ پائے۔ ان لوگوں نے کربلا سے دور جا کر اپنے خیام نصب کیے۔ انہی آخری دنوں میں کوفہ کے چار یا پانچ افراد کوفہ سے امامؑ کی نصرت کے لیے روانہ ہوئے لیکن ابن زیاد (ملعون) کے لشکر نے انھیں امامؑ تک پہنچنے نہ دیا۔ تمام راستے بند کر دیئے گئے، ہر طرف سخت محاصرہ تھا اور کوفہ سے کوئی جانثار کربلا نہیں آ سکتا تھا۔

سامعین محترم!

کیا آپ عالم معنیٰ اور عالم تخیل میں کربلا جانا چاہتے ہیں؟ یا نہیں جانا چاہتے؟

آج کے دن ہم کربلا جا رہے ہیں اور فرات کے کناروں کا جائزہ لیں گے۔

ہم وہاں یہ منظر دیکھتے ہیں کہ فرات کے گھاٹ پر نصف فرسخ تک کے علاقہ میں مسلح سواروں کا پہرہ لگا ہوا ہے لیکن یہ سب کچھ کیوں ہوا؟

ابن زیاد لعین نے عمر بن سعد (ملعون) کو خط لکھا تھا کہ مَیں نے تیرے پاس سوار اور پیادے بھیجنے میں کوئی کمی نہیں کی ہے تو حسینؑ پر سختی کر اور حسینؑ اور ان کے اصحاب پر پانی بند کر دے۔

اس نے ایک اور حکم نامہ جاری کیا۔

سبحان اللہ! عجیب بات ہے کہ اللہ لوگوں کو حکم دیتا ہے لیکن اس کے بندے اس کے حکم کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کربلا میں قومِ اشقیاء نے ابن زیاد لعین کے حکم پر پورا پورا عمل کیا تھا۔

اس لعین نے یہ لکھا تھا: "حسینؑ اور اس کے ساتھی ایک قطرہ آب بھی نہ چکھنے پائیں"۔ لعین کے حکم پر عمل کیا گیا۔ ابن سعد لعین نے عمرو بن الحجاج (ملعون) کی کمان میں فوج کا ایک حصّہ مقرر کیا اور انھیں یہ ہدایت کی کہ تم لوگ گھاٹ پر قبضہ کر لو۔

وہ گھاٹ نصف فرسخ تک پھیلا ہوا تھا۔ فوجِ اشقیاء نے پورے گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔ آج کے دن "اضطراب" کی آواز شروع ہوئی اور خیامِ آلِ محمدؐ سے "پانی پانی" کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

خدا کسی کو ایسی آنکھ نہ دے جو مصائب کے ان ایام میں گریہ سے خالی رہے۔

معصومینؑ کی دعا میں یہ جملہ بھی دکھائی دیتا ہے:

ونعوذبك من عين لا تدمع

"خدایا! ہم تجھ سے ایسی آنکھ سے پناہ چاہتے ہیں جو گریہ نہ کرے"۔

حاضرین محترم!

کچھ لوگوں کے دلوں میں سختی ہے اور وہ یہ مصائب سن کر بھی وہ خراج اشک ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ جو آج گریہ نہیں کرتا تو شاید اُسے ابن زیاد، ابن سعد اور عمر بن الحجاج سے ہمدردی ہے اور وہ اسی وجہ سے چشمِ مصطفیٰؐ کے نُور تک ایک قطرۂ اشک تک روانہ کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ رب العالمین نے پانی کو اس وقت پیدا کیا جب

کہ زمین و آسمان کا وجود تک نہ تھا۔ پانی کے علاوہ فضاء میں کچھ بھی نہیں تھا۔

وَّ کَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ......(سورۂ ہود: آیت ۷)

''اللہ کا عرش پانی پر تھا''۔

یعنی پانی پر اس کی حکومت تھی۔

اسی پانی سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

اللہ نے اس پانی کو بھی حسینؑ کی وجہ سے پیدا کیا ہے۔

یہ پانی حسینؑ کی برکت کو ظاہر کرتا ہے۔

اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے تمام مخلوقات کو پیغمبر اکرمؐ کی وجہ سے پیدا کیا جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے:

لَوۡلَاكَ لَمَا خَلَقۡتُ الۡاَفۡلَاكَ

''اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا ہی نہ کرتا''۔

ادھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے:

حُسَيۡنٌ مِنِّيۡ وَ اَنَا مِنَ الۡحُسَيۡنِ

''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں''۔

چنانچہ حدیث قدسی اور حدیثِ نبویؐ کو ملانے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ بھی بنایا ہے، وہ حسینؑ کی وجہ سے بنایا۔ جب آسمان اور زمینیں بن گئیں تو اس کے بعد زمین کا احاطہ کرنے والا پانی صرف پینے کے لیے نہیں تھا۔ خدا کی حکمت بالغہ کا یہ تقاضا ہوا کہ پانی کے بڑے خزانے کو آسمان پر بھیج دیا جائے۔ پھر اسے بارش کی شکل میں زمین پر اُتارا جائے۔

فَاَسۡکَنّٰہُ فِی الۡاَرۡضِ......(سورۂ مومنون: آیت ۱۸)

''پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرایا''۔

تا کہ یہ پانی مخلوقات کی غذا کا ذریعہ بنے۔ چنانچہ! تدبیر الٰہی کی وجہ سے ایک تہائی حصّہ زمین کا خشک ہے اور باقی دو تہائیاں پانی پر مشتمل ہیں۔

یہ سب کچھ امام حسین علیہ السلام کی برکت ہے۔

یہ پانی کی تخلیق کی ابتداء ہے۔ شارع مقدس نے پانی پلانے کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے جس عمل کی جزا دی جائے گی، وہ عمل پانی پلانا ہے''۔

پانی پلانے کی ایک مخصوص خصوصیت ہے۔ پانی میں تمام جانداروں کا حق ہے۔ فرض کریں کہ ایک چھوٹی سی نہر ہو اور وہ نہر کسی خاص فرد کی ملکیت ہو۔ اس نہر سے ہر پیاسے کو پانی پینے کا حق ہے۔ خواہ نہر کا مالک راضی ہو یا ناراض ہو۔

شریعت طاہرہ کی یہ تعلیم ہے کہ جس نے بھی کسی پیاسے جگر کو سیراب کیا تو اسے اس کا اجر ملے گا۔

ہر پیاسے کو پانی پلانا ثواب ہے۔ کافر کو کھانا کھلانے کا کوئی ثواب نہیں ہے جبکہ کافر کو پانی پلانے کا ثواب ہے۔

عزیزانِ محترم!

ایک راوی کا بیان ہے: مَیں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ ایک محمل میں بیٹھ کر مکہ کا سفر کر رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ راستے میں ایک شخص ببول کے درخت کے نیچے پڑا ہوا ہے۔

امامؑ نے مجھے حکم دیا کہ محمل سے اُترو اور اس شخص کو جا کر دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پیاس کی وجہ سے گر پڑا ہو۔

راوی کا بیان ہے: میں محمل سے اُترا اور اس کے پاس گیا اور اس کی حالت دیکھ کر امامؑ کے پاس آیا اور عرض کیا: ''فرزند رسولؐ: یہ شخص نصرانی ہے اور پیاس کی

وجہ سے زمین پر گر گیا ہے“۔

آپؑ نے فرمایا: جاؤ اسے جا کر پانی پلاؤ۔ پھر آپؑ نے فرمایا: ہر پیاسے جگر کو سیراب کرنے کا اجر ہے اور اس نصرانی کو بھی سیراب کرنے کا اجر ہے۔ لہٰذا اگر ایک مسلم دوسرے مسلم کو پانی پلائے تو اس کا اجر ہے۔

اگر کوئی مسلم کسی کافر کو پانی پلائے تو بھی اس کے لیے اجر ہے۔

اگر کوئی کافر کسی مسلمان کو پانی پلائے تو اس کے لیے بھی اجر ہے۔ اسے تخفیفِ عذاب کی صورت میں اجر دیا جائے گا۔ اسی طرح سے اگر کوئی کافر کسی دوسرے کافر کو پانی پلائے تو اس کا بھی اجر ہے اور اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔

ایک مرتبہ حضرت رسولِ اکرمؐ وضو کر رہے تھے کہ وہاں سے ایک بلی کا گزر ہوا اور وہ گھور گھور کر پانی کو دیکھنے لگی۔ رسولِؐ اللہ نے فرمایا: یہ بلّی پیاسی ہے۔ پھر آپؐ نے وضو چھوڑ دیا اور پانی بلی کے سامنے رکھا۔ بلی نے جی بھر کر پانی پیا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے وضو کی تکمیل کی۔

پانی سے تعلق رکھنے والا یہ مسئلہ بھی سن لیں۔ اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور اس کے پاس کوئی جانور ہو اور مسافر کے پاس پانی اتنی مقدار میں ہو کہ اگر وہ پانی سے وضو کرے تو جانور کے لیے پانی نہیں بچتا تو اس صورت میں اسے چاہیے کہ وہ وضو کی جگہ تیمم کرے تاکہ جانور کے لیے پانی بچ جائے۔

سامعین کرام!

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ جانور خواہ اپنا ہو یا کاروان میں شامل کسی دوسرے شخص کا ہو تو وضو کی صورت میں جانور کے پیاسے ہونے کا خدشہ ہو تو پھر تیمم کرنا چاہیے۔ اگر قافلہ میں کوئی ذمی (یہودی یا نصرانی) ہو اور وضو کی وجہ سے اس کے پیاسے رہنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں بھی تیمم کرنا چاہیے۔

آپ نے پیاسوں کو پانی پلانے کا ثواب سماعت فرما لیا ہے تو اب آپ صحرائے کربلا میں چلیں۔ آپ کو وہاں تمام پیاسے ایک ہی خیمہ میں بیٹھے ہوئے دکھائی دیں گے اور ان سب کی لبوں سے پانی، پانی کی صدائیں بلند ہو رہی ہوں گی۔ پیاس کی آزمائش میں تین امامؑ بھی مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ ایک تو امام حسینؑ ہیں، دوسرے امام سجاد علیہ السلام ہیں اور تیسرے امام محمد باقر علیہ السلام ہیں۔ ان کے علاوہ آئمہؑ کی دوسری اولاد بھی اس پیاس میں برابر کی شریک ہے۔ ان کے علاوہ امامؑ کے عالم، فاضل، اہلِ اسرار، زاہد و عابد اصحاب بھی شامل ہیں۔

اور ان کے علاوہ خیامِ آلِ محمدؐ میں معصوم بچے اور مخدراتِ عصمت بی بیاں بھی شامل ہیں۔ ان لوگوں کی پیاس کو محتشم نے اپنے ایک فارسی شعر میں یوں بیان کیا تھا جس کا عربی میں ترجمہ یہ ہے:

وحتی الآن مازال النداء منهم

باعنان السماء يلامس العيوق

اللہ نے ان پیاسوں کے لیے چار ساقی مقرر کیے ہیں۔ پہلا ساقی حضرت خاتم الانبیاءؐ ہیں۔ آپؐ کربلا میں موجود تھے اور آپؐ کے ہاتھ میں پیالہ تھا۔

اس سقائی کا ایک خاص وقت تھا۔

دوسرے ساقی خود امام حسین علیہ السلام ہیں اور آپؑ ان پیاسوں کے ساقی تھے۔ ہم بہت جلد آپؑ کی سقائی کی کیفیت کو بیان کریں گے۔

پیاسوں کے تیسرے ساقی حضرت ابوالفضل العباسؑ تھے۔

ان پیاسوں کا چوتھا ساقی ان سے محبت رکھنے والوں کی آنکھوں کا پانی ہے جسے وہ خراج اشک کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔

پیاسوں کے پہلے ساقی حضرت رسولِ اکرمؐ ہیں۔

عزادارو!

آنحضرتؐ نے حضرت علی اکبرؑ کو شہادت کے وقت پانی پلایا تھا۔

شہادت کے وقت حضرت علی اکبرؑ نے اپنے والد ماجد سے یہ کہا تھا:

یَاۤ اَبَتَاہُ ھٰذَا جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَدْ سَقَانِیْ

''اباجان! یہ میرے جد پاکؐ آئے ہوئے ہیں انھوں نے مجھے پانی پلایا ہے جس کے بعد مجھے پیاس باقی نہیں رہی''۔

آیئے! اب دوسرے ساقی امام حسین علیہ السلام کی بات کریں۔ میں اس وقت آپؑ کی اس سقائی کا ذکر کرتا ہوں جو آپؑ نے بطورِ اعجاز کی تھی۔ لوگ آپؑ کی شانِ سقائی سے غافل ہیں۔ سات محرم کو اہلِ بیتؑ کا پانی بند کیا گیا۔ سات محرم کا دن پیاس میں گزرا۔ یہاں تک کہ آٹھ محرم کی رات آ گئی۔

امامؑ خیمہ کے پیچھے گئے۔ آپؑ نے قبلہ کی سمت انیس قدم اٹھائے اور وہاں کی خاک اٹھائی تو اس جگہ پانی کا چشمہ نمودار ہوا۔ سب نے وہ پانی پیا۔ پھر وہ چشمہ غائب ہو گیا۔ سیّد الشہداءؑ کی یہ پہلی سقائی ہے۔ میں آپؑ کی ایک اور سقائی کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ سیّد الشہداءؑ نے قومِ اشقیاء سے اپنی ذات کے لیے پانی طلب نہیں کیا تھا کیونکہ آپؑ کو سوال کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ البتہ آپؑ نے جو پانی طلب کیا وہ کربلا کے دوسرے افراد کے لیے کیا تھا۔

آپؑ تو اتنے بڑے کریم تھے کہ آپؑ کسی سائل سے اس کا سوال تک سننا پسند نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی سائل نے ایک رقعہ پر اپنی حاجت لکھ کر وہ رقعہ آپؑ کے سامنے رکھا۔ آپؑ نے رقعہ پڑھے بغیر فرمایا: تیری حاجت پوری کی جاتی ہے۔

وہاں پر موجود ایک شخص نے عرض کیا: مولاؑ! آپؑ نے رقعہ کھولے بغیر اس کی

حاجت کو پورا کرنے کی یقین دہانی کیسے کرائی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر میں رقعہ کھول کر پڑھتا تو سائل کی آبرو ضائع ہو جاتی اور وہ اپنے دل ہی دل میں اپنی حقارت کا احساس کرتا۔

معزز سامعین!

آپ نے سنا کہ جو کریمِ کائنات دوسروں کی زبان سے سوال کرنے کو معیوب جانتا تھا تو اب اگر اسے خود سوال کرنا پڑ جائے تو خدا جانے اس کی کیا حالت ہو گی؟

عزادارانِ امامؑ!

اسی مظلوم کے کرم کا ایک اور واقعہ سنیں۔ اسامہ بن زید بن حارثہ بیمار ہوئے۔ آپؑ اس کی عیادت کے لیے اس کے گھر گئے اور اس کے سرہانے تشریف فرما ہوئے۔ آپؑ نے دیکھا کہ اسامہ مضطرب ہے۔ آپؑ نے اس سے اس کے اضطراب کی وجہ پوچھی۔ اس نے جواب دیا کہ میں ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں۔ امامؑ نے فرمایا کہ فکر نہ کرو میں تمھارا قرض چکا دوں گا۔ اسامہ نے عرض کیا: مولاؑ! عین ممکن ہے کہ قرض کی ادائیگی سے پہلے میری روح نکل جائے تو امامؑ نے اس کے مرنے سے پہلے اس کا تمام قرض ادا کیا۔

جب آپؑ دوسرے کے منہ سے سوال نہیں سن سکتے تھے تو نہ جانے وہ کیا عالم ہو گا جب خود آپؑ کو سوال کرنا پڑا ہو گا؟ آپؑ نے اتمام حجت کے لیے پانی طلب کیا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ اہلِ کوفہ کو آپؑ تین بار پانی پلائیں۔ پہلی بار آپؑ نے اہلِ کوفہ کو پانی پلایا تھا جب خشک سالی پیدا ہوئی تھی۔ فصلیں مرجھا گئی تھیں اور حیوانات پیاس کے مارے مرنے لگے تھے تو آپؑ نے نمازِ استسقاء پڑھائی اور خدا سے بارش طلب کی تھی۔ اللہ نے آپؑ کی دعا قبول فرمائی اور فوراً بارش عطا کی۔

دوسری بار آپؑ نے اہلِ کوفہ کو اس وقت پانی سے سیراب فرمایا جب معاویہ کے

لشکر نے فرات کے گھاٹ پر قبضہ کیااور یوں اپنی پوری فوج بالخصوص اہلِ کوفہ کو پانی سے سیراب کیا تھا۔ تیسری بار آپؑ نے حر اور اس کے ایک ہزار فوجیوں کو صحرا میں پانی پلایا تھا۔ اگر آپؑ پانی نہ پلاتے تو پورا لشکر صحرا میں پیاس کے مارے مر جاتا۔ ان احسانات کے پیش نظر آپؑ نے چاہا کہ اہلِ کوفہ پر اتمام حجت کیا جائے۔

آپؑ نے سب سے پہلے ''بریر'' کو بھیجا۔ اس نے قومِ اشقیاء سے پانی طلب کیا، لیکن کسی نے پانی نہ دیا۔

ان کے بعد حضرت حُر گئے لیکن اشقیاء نے کوئی رحم نہ کیا۔ ان کے بعد حضرت عباسؑ گئے اور انھوں نے پانی طلب کیا لیکن کسی کو حیا نہ آئی۔ اس کے بعد حضرت سیّدالشہداء بنفس نفیس تشریف لے گئے اور پانی طلب کیا لیکن ابن زیاد کی فوج نے پانی نہ دیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ پانی کی وجہ سے میرے اصحاب کی طاقت بڑھ جائے گی تو پھر مجھے اور میرے اصحاب کو پانی نہ دو، خیام میں تمھارے نبیؐ کی بہو بیٹیاں موجود ہیں ان کے لیے پانی بھیج دو۔ اگر پردہ دار بی بیوں نے پانی پی لیا تو وہ تم سے جنگ کرنے تو نہیں آئیں گی کیونکہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔

لیکن ظالموں نے پھر بھی نہ مانا۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ اگر تم مجھے اور میرے اہل حرم کو پانی نہیں دیتے تو نہ دو کم از کم چھوٹے بچوں کی حالت پر رحم کھاؤ۔ بچوں کے لیے پانی دے دو۔ اس پر بھی کسی کو حیا نہ آئی تو آپؑ نے فرمایا کہ تم میرے دودھ پیتے بچہ کو ہی پانی پلا دو؟ پھر ایک وقت وہ بھی آیا جب امامؑ اپنے دودھ پیتے بچہ کو میدان میں لے آئے اور فرمایا کہ مجھے پانی نہ دو کم از کم اپنے ہاتھ سے اس معصوم بچہ کو ہی پانی پلا دو۔

سامعینِ گرامی قدر!

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ معصوم کو تیر لگنا بڑی مصیبت تھی؟ یقیناً یہ بھی ایک مصیبت

ہے لیکن میری نظر میں اس معصوم کا میدان میں جانا ہی بڑی مصیبت تھی۔ جب امام مظلومؑ علی اصغرؑ کو میدان میں لائے تو پیاس کی وجہ سے علی اصغرؑ پر احتضار کا عالم طاری تھا۔

امام علیہ السلام نے معصوم کو ہاتھوں پر بلند کر کے فرمایا:

وَیلکُمْ اِسْقُوْا ھٰذَا الرَّضِیْعَ

''اس شیر خوار کو پانی ہی پلا دو''۔

اَمَا تَرَوْنَہٗ یَتَلَظّٰی عَطَشاً ⁽¹⁾

''کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ پیاس کی وجہ سے یہ موت کے قریب پہنچ چکا ہے'' اس کا رنگ بدل چکا ہے اور پیاس کی وجہ سے اس کا تڑپنا بھی ختم ہو چکا ہے۔ بس کبھی منہ کھولتا ہے اور کبھی بند کرتا ہے۔

ذکرِ مصائب: مولا ابوالفضل العباسؑ کی شہادت

ہماری آج کی مجلس تیسرے ساقی کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ حضرت ابوالفضل العباسؑ ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کیا میں ان کی صفات بیان کروں یا ان کی منزلت بیان کروں یا ان کی جلالت قدر بیان کروں۔

حضرت عباس علیہ السلام کے تین القاب ہیں:

(۱) قمر بنی ہاشم: آپؑ کو کربلا آمد سے پہلے بھی اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

---

(۱) امام علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا علی اصغرؑ حالت ''دلنظی'' میں پہنچ چکا ہے۔ مچھلی کی موت کے تین مراحل ہوتے ہیں۔ جب پانی سے نکلتی ہے تو زور زور سے اُچھلتی ہے۔ جب طاقت ختم ہو جائے تو پھر دائیں بائیں کروٹیں بدلتی ہے۔ پھر جب یہ طاقت بھی نہ رہے تو پھر کبھی منہ کھولتی ہے کبھی بند کرتی ہے۔ مچھلی کی اس آخری حالت کو ''دلنظی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ گویا امام علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بچہ پر وہی عالم طاری ہے جو کہ مچھلی کے آخری لحات میں اس پر طاری ہوتا ہے۔ (من المترجم)

(۲) الطیّار: پرواز کرنے والا

امام علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوالفضلؑ کے دو بازوؤں کے عوض انھیں ''جعفر طیار'' کی طرح دو پَر عطا کیے ہیں اور وہ ملائکہ کے ساتھ جہاں چاہتے ہیں پرواز کرتے ہیں۔

(۳) سقّاء: پانی پلانے والا۔

عزادارو!

مجھے اس وقت صرف یہ کہنا ہے کہ ان دنوں حسینی ؑ لشکر کی قیادت و سیادت حضرت ابوالفضلؑ کے ہاتھ میں تھی اور جب آپؑ شہید ہوئے تو خیام کی طرف دشمنوں کی جرأت بڑھ گئی۔ آپؑ کی شہادت سے پہلے کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ خیام کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا۔

کیا میں جنابِ عباسؑ کے حُسن و جمال اوران کے قدوقامت پر بات کروں؟

کیا میں یہ بتاؤں کہ جب آپؑ دو رکابہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو آپؑ کے قدم زمین پر خط کھینچتے تھے۔ امام مظلومؑ آپؑ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور حد یہ ہے کہ امامؑ نے ان سے فرمایا تھا:

بِنَفْسِیْ اَنْتَ، ''تم پر میری جان قربان ہو''۔

حضرت عباس علیہ السلام اتنے بڑے وفادار تھے کہ اپنے تن سگے بھائیوں کو اپنے سے پہلے میدانِ جہاد میں بھیجا اوران کی موت کا صدمہ برداشت کیا۔

بھائیوں کی شہادت کے بعد آپؑ نے میدان میں قدم رکھا۔ جب آپؑ نے یہ دیکھا کہ آلِ محمدؐ کے معصوم بچے پیاس سے بے تاب ہو کر گر رہے ہیں اور کچھ کی روح نکل چکی ہے تو آپؑ نے میدان میں جانے کو مؤخر کیا اور پانی لینے کی غرض سے گھاٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپؑ گھوڑے پر سوار ہوئے تو امامؑ بھی گھوڑے

پر بیٹھے اور ان کے پیچھے چل پڑے۔لشکرِ اعداء نے حملہ کیا اور دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

سیّدالشہداءؑ واپس آئے اور حضرت عباس علیہ السلام تیزی سے گھاٹ کی طرف روانہ ہوئے۔آپؑ نے گھاٹ پر جنگ کی اور ایک ہزار سواروں کو بھگا کر پانی تک پہنچے لیکن وہاں جا کر خود پانی نہ پیا۔اس حالت کا تصور کریں کہ پانی بھرا لیکن خود پانی نہ پیا۔

عزادارو!

روایات بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے اس لیے پانی نہیں پیا تھا کہ امامؑ پیاسے تھے۔ یہاں تو امامؑ کی پیاس دیکھ کر انھوں نے پانی نہیں پیا تھا۔اب مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ شہادت کے بعد اور امامؑ کی پیاسی روح کے جنت میں آنے سے پہلے انھوں نے جنت کا پانی بھی پیا تھا یا وہاں پہنچ کر بھی امامؑ کی آمد کا انتظار کیا تھا؟

الغرض! حضرت عباس علیہ السلام نے مشک بھری اور کندھے پر لٹکائی اور گھاٹ سے باہر آئے۔اس وقت عمر بن سعد (ملعون) نے چیخ کر کہا کہ اسے خیام تک نہ جانے دو۔

اس وقت پورا لشکر گھاٹ کی طرف بڑھا۔باقی حالات آپ نے کئی بار سنے ہیں کہ آپ کے بازو قطع ہوئے اور مشک پر تیر لگا اور پانی بہہ گیا۔ جو چیز ابھی تک میرے لیے واضح نہیں ہوئی وہ یہ ہے کہ جب حضرتؑ کے بازو قلم ہوئے تو اس وقت گھاٹ خیام سے دور تھا۔اس وقت نہر ''حسینیہ'' بھی نہیں تھی۔ حضرت عباسؑ نے گھوڑا دوڑایا تاکہ خیام تک پہنچ سکیں۔ اب جو یہ پڑھا جاتا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام عباسؑ کی مقتل کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں انھیں عباسؑ کا کٹا ہوا بازو ملا۔ کیونکہ عباسؑ کا مقتل خیام سے ہٹ کر دوسرے راستے پر ہے اور آپؑ کے بازو اس وقت قطع ہوئے جب آپؑ گھاٹ سے خیام کی طرف آ رہے تھے۔

اس لحاظ سے تو امامؑ کو حضرتؑ کا بازو ملنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ اس کے بعد مجھے یہ علم نہیں ہے کہ کیا امامؑ کو عباسؑ کے کٹے ہوئے بازو ملے تھے اور آپؑ نے انھیں آپؑ کے جسد اطہر کے ساتھ شامل کیا تھا یا پھر ملائکہ نے وہ بازو اٹھا کر آپؑ کے جسم کے ساتھ آ کر رکھے تھے؟

عزادارو!

جب بازو کٹ گئے اور مشک کا پانی بہہ گیا تو عباسؑ چپ چاپ گھوڑے پر بیٹھے رہے۔ آپؑ کے لیے رکنا ضروری تھا۔ سوچ رہے تھے کہ کیا کریں اور کہاں جائیں؟ آپؑ بھاگنا بھی نہیں چاہتے تھے اور آپؑ یہ سوچ رہے تھے کہ بازو موجود نہیں ہیں لہٰذا جنگ کرنا بھی ناممکن ہے اور پانی کے بغیر خیام میں جانا وفا کے خلاف ہے۔ اسی دوران دشمنوں کی طرف سے آپؑ پر تیروں کی بارش برسائی گئی۔ روایات میں یہ الفاظ ہیں: فصار جلدہ کالقنفذ۔

درج بالا جملہ کا اردو میں یہی ترجمہ کیا جا سکتا ہے کہ ''آپ کے وجود پر اتنے تیر تھے جتنا کہ قرآن کی آیات پر اعراب ہوتے ہیں''۔

آپؑ کے جسم کے ہر حصّہ پر تیر ہی تیر تھے۔ گھوڑا دوڑتا رہا۔ پھر اچانک ایک تیر آپؑ کے سینہ میں آ کر لگا۔ جس کی وجہ سے آپؑ راہوار پر سنبھل نہ سکے اور زمین پر گر گئے۔

معزز سامعین! آپؑ کی مصیبت صرف یہی نہیں تھی جو کہ آپ نے سنی۔ کچھ دیر کے لیے تصور کریں کہ گھوڑا بھاگ رہا تھا اور آپؑ کے بازو بھی نہیں تھے۔ آپؑ قدوقامت رکھنے والے انسان تھے اب جو آپؑ گرے تو کیسے گرے ہوں گے؟ تمام تیر آپؑ کے جگر، سینہ اور پہلوؤں میں پیوست ہو گئے تھے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ

نویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ○ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ ○ (البقرہ: ۱۵۵-۱۵۶)

''ہم یقیناً تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور اموال ونفوس اور ثمرات کی کمی سے آزمائیں گے۔ اے پیغمبرؐ! آپؐ صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں۔ جو مصیبت پڑنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں''۔

مولا امام حسینؑ نے تمام آلام ومصائب برداشت کیے۔

عزادارو!

دنیا میں جو بھی مرتا ہے تو اس کی موت کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ احتضار کی موت مرتے ہیں۔ کچھ لوگ احتضار کے بغیر اچانک مرتے ہیں۔ کچھ قتل ہوکر مرتے ہیں۔ کچھ مذبوح ہوکر مرتے ہیں۔ کچھ دکھوں میں مبتلا ہوکر مرتے ہیں اور ان کی وفات کا سبب دکھ ہوتے ہیں اور کچھ لوگ زہر کی وجہ سے مرتے ہیں۔

اس دنیا سے جو بھی شخص رخصت ہوتا ہے وہ کسی ایک یا دو اسباب کی وجہ سے ہی دنیا چھوڑتا ہے۔ میری جان قربان حسینؑ مظلوم پر جس پر وفات بھی آئی ـــ جس پر احتضار بھی طاری ہوا ـــ جو قتل بھی ہوا ـــ جسے ذبح بھی کیا گیا ـــ جسے نحر بھی کیا گیا ـــ جسے زہر بھی دی گئی ـــ جس پر دُکھ بھی وارد ہوئے۔

سامعین!

یہ تمام صفات امام مظلومؑ میں پائی جاتی ہیں۔ ہرگز نہیں! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مذکورہ اسباب میں سے ہر سبب کے پیچھے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ وفات کے بھی اسباب ہیں۔ موت کے بھی اسباب ہیں۔ ذبح کے ذریعہ وارد ہونے والی مدت کے بھی اسباب ہوتے ہیں اور نحر کے ذریعہ سے آنے والی موت کے بھی اسباب ہیں۔ وفات کے جتنے بھی اسباب ممکن ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب اس مظلوم میں جمع تھے۔ اس سے زیادہ سخت بات یہ ہے کہ جس کے لیے بھی ایک یا دو اسباب مہیا ہوتے ہیں تو وہ ایک ہی مرتبہ وارد ہوتے ہیں لیکن اس مظلوم کے لیے موت، قتل، ذبح اور نحر وغیرہ کے تمام اسباب واقع ہوئے تھے۔

اس قضیہ کو ہم صرف ایک ایک لفظ سے بیان نہیں کر سکتے۔ ہم اسے یوں ادا کر سکتے ہیں کہ حسینؑ بن علیؑ کے علاوہ تمام اسباب موت کسی کے لیے جمع نہیں ہوئے۔

عزادارانِ امامِؑ مظلوم!

آغازِ دنیا سے لے کر اختتامِ جہان تک حسینؑ کی طرح سے کسی نے دنیا سے کوچ نہیں کیا ہے۔

چند دن پہلے مَیں نے یہ عرض کیا تھا کہ مسلم بن عوسجہ، زہیر بن القین اور اصحاب میں سے کچھ اصحاب نے امامؑ کے سامنے اپنی تمنا بیان کی تھی۔ ایک صحابی نے اپنی تمنا یوں بیان کی کہ اگر مجھے آپؑ کی وجہ سے ستر بار بھی قتل ہونا پڑے تو بھی میں

اس سے دریغ نہیں کروں گا۔ دوسرے صحابی نے کہا تھا کہ اگر مجھے آپؑ کے لیے ایک ہزار بار بھی قتل ہونا پڑے تو بھی میں آپؑ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔اصحاب حسینؑ کے یہ جملے ان کی محبت اور عزم راسخ پر دلالت کرتے ہیں۔

بے انصاف لوگو! سیّدالشہدا ؑ واقعی ایک ہزار بار قتل کے مراحل سے گزرے۔ حسین مظلومؑ نے یہ تمام آلام و مصائب اس لیے برداشت کیے کہ آپ دین دار بن جائیں۔

مظلومؑ چاہتے تھے کہ آپ دین پر ثابت قدم رہیں۔ آپ نے کبھی غور کیا کہ مظلوم حسینؑ نے خدا اور بقائے دین کے لیے کیسی قربانیاں دی ہیں؟۔

ذکرِ شہادت جنابِ علی اکبرؑ

آج کی مجلس کو لوگ علی اکبرؑ کی شہادت کی مجلس کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن میں اسے ''وفاتِ حسینؑ'' کی مجلس سے تعبیر کرتا ہوں۔ یہ کسی ایک وفات کی مجلس نہیں ہے بلکہ ''وفیات الحسینؑ'' کی مجلس ہے۔

میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ علی اکبرؑ کی وفات نہیں ہے۔ دراصل یہ حسینؑ کی وفات ہے۔ آپ توجہ فرمائیں کہ مَیں نے علی اکبرؑ کی موت کی مجلس کو امامؑ کی موت کی مجلس کیوں کہا ہے؟ اس مفہوم کی وضاحت کے لیے مجھے کچھ مقدماتی گفتگو کرنا پڑے گی۔

دنیا میں سب سے بڑی مصیبت اولاد کی موت کی مصیبت ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کا اشارہ اس آیت میں بھی موجود ہے جسے مَیں نے آپ کے سامنے تلاوت کیا ہے۔ اس آیت میں بلیات وشدائد کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ پہلے چھوٹی مصیبتیں بیان کی گئی ہیں، پھر درجہ بدرجہ بڑی مصیبتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جان کی

مصیبت کے بعد اللہ نے فرمایا کہ ہم تمھیں 'ثمرات' کی کمی سے آزمائیں گے۔ یہاں 'ثمرات' سے باغات کے پھل مراد نہیں ہیں کیونکہ جان کے مقابلہ میں پھلوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس سے سیب اور انگور کے پھل مراد نہیں ہیں بلکہ ثمراتِ قلوب مراد ہیں۔ مقصد آیت یہ ہے کہ ہم تمھیں تمھاری اولاد کی کمی اور اولاد کی موت سے آزمائیں گے۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کے متعلق فرمایا:

اِنَّا وَجَدۡنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ (سورۂ صٓ: آیت ۴۴)

"بے شک ہم نے اسے صابر پایا وہ بہت اچھا بندہ تھا"۔

مفسرین نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اللہ نے ایوب علیہ السلام کا امتحان لیا۔ ان کا سارا مال تلف ہو گیا، مکان گر گیا، خود بیماری میں مبتلا ہوئے اور پھر بیٹے بھی مر گئے لیکن حضرت ایوب علیہ السلام نے تمام مصائب پر صبر کیا۔ اس لیے اللہ نے انھیں "صابر" کی سند عطا فرمائی۔

اولاد کا امتحان سب سے مشکل امتحان ہوتا ہے۔ بالخصوص جب بیٹا نیک اور فرمانبردار ہو تو باپ کے لیے مصیبت اور بڑھ جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام میں اچھی صفات کو دیکھا تو ان کے دل میں بیٹے کی محبت گھر کر گئی۔ اسی لیے اللہ نے انھیں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا۔

قرآن کی آیت کے یہ الفاظ ہیں:

فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ (الصافات: ۱۰۳)

"جب دونوں ہمارے حکم کے سامنے سراپا تسلیم ہو گئے تو اس نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا"

اولاد کی موت سے بڑھ کر باپ کے لیے اور کوئی مصیبت نہیں ہوتی۔ اب

اس کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ کربلا کے مقتل میں علی اکبرؑ کی کوئی مثال موجود نہیں تھی۔

یہ سچ ہے کہ امامِ مظلومؑ امام تھے اور حضرت سید الساجدینؑ بھی امام تھے اور وہ دونوں علی اکبرؑ سے افضل تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں باپ بیٹوں کو امامت ضرور عطا کی تھی لیکن اس کے باوجود علی اکبرؑ کے وہ صفات عطا نہیں کیے تھے جس کا تذکرہ امام حسین علیہ السلام نے علی اکبرؑ کی روانگی کے وقت کیا۔

آپ اس نکتہ کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ میں یہ باتیں کیوں کر رہا ہوں؟

میرے بیان کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی بھی انسان ایسا نہ تھا جو کہ رسولؐ اللہ کے مشابہ ہو۔ یعنی ایسا کوئی شخص نہ تھا جو کہ علی اکبرؑ کی طرح جمال، خُلق اور گفتگو میں رسولِ خداؐ کی شبیہ ہو۔ علی اکبرؑ اپنے جمال و ملاحت میں پیغمبر اکرمؐ کی شبیہ تھے اور جب حضرت امام حسین علیہ السلام رسولِ خداؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو آپؑ اپنے فرزند علی اکبرؑ کو دیکھا کرتے تھے۔

علی اکبرؑ کا جمال پیغمبرؐ کا جمال تھا اور آپؑ کی گفتگو کا انداز رسولِ خداؐ کے مانند تھا۔ اگر کسی نے رسولِ خداؐ کو دیکھا اور آپؐ کی باتیں سنی تھیں جب وہ طویل عرصہ کے بعد علی اکبرؑ کو دیکھتا تو اسے رسولِ خداؐ یاد آ جاتے اور اگر کوئی دیوار کی اوٹ سے علی اکبرؑ کی گفتگو سنتا تو وہ یہ سمجھتا کہ رسولِ اکرمؐ بول رہے ہیں۔

اللہ نے اپنے حبیبؐ کے خُلق کو یوں بیان فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۴)

”آپ خلقِ عظیم کے مالک ہیں“۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے فرزند کے متعلق فرمایا کہ وہ خُلق میں رسولِ خداؐ کی شبیہ ہیں۔

الغرض! حضرت علی اکبرؑ خُلق تخلیق اور گفتگو میں پیغمبرِ اکرمؐ کی شبیہ تھے۔

خدا کی معرفت و تعظیم اور حق کے لیے قربانی دینے میں علی اکبر بے نظیر تھے۔

آپ حضرات نے یہ واقعہ بارہا سنا ہے کہ امام حسین علیہ السلام عراق کی طرف جا رہے تھے کہ دورانِ سفر آپؑ کو اونگھ آئی اور کسی ہاتفِ غیبی کی یہ صدا سنی کہ یہ قافلہ موت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آپؑ نے اس وقت بلند آواز سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کی آیت تلاوت فرمائی۔

علی اکبرؑ گھوڑا بڑھا کر والد ماجدؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: بابا جان! اس وقت آپؑ نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کیوں پڑھی؟

امامؑ نے ہاتف غیبی کی انھیں خبر سنائی اور فرمایا کہ ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم موت کی وادی کا سفر کر رہے ہیں۔ اسی لیے ہم نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْن پڑھا ہے۔

اس وقت علی اکبرؑ نے عرض کیا:

اَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ...

''کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟''

امامؑ نے فرمایا: جی ہاں! اس ذات کی قسم جس کی طرف بندوں کی بازگشت ہے، ہم حق پر ہیں۔

علی اکبرؑ نے عرض کیا:

يَا اَبَتِ اِذًا لَّا نُبَالِي بِالْمَوْتَ ط

''بابا! جب ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے''

اس وقت امامؑ نے اپنے فرزند کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: ''خدا تمھیں ایسی بہتر جزا عطا کرے جو کسی بھی والد کی طرف سے بیٹے کو ملتی ہیں''۔

حضرت علی اکبرؑ نے اپنے والد ماجدؑ کو تسلی دی۔

معزز حاضرین!

جناب رسولِ اللہ نے امام حسین علیہ السلام کو اپنی شجاعت کا وارث بنایا تھا۔ اسی طرح سے امیرالمومنین ؑ نے علی اکبرؑ کو اپنی شجاعت کا وارث مقرر کیا تھا۔ حضرت امام حسین ؑ کے بعد علی اکبرؑ نے زیادہ مُلاعین کو قتل کیا۔ آپؑ نے دوسو دشمنوں کو تہہ تیغ کیا تھا۔ کچھ دیر کے لیے سوچیں کہ تین دن کے بھوکے پیاسے انسان نے دوسو افراد کو کیسے قتل کیا ہوگا۔

فرض کریں کہ ایک سو آدمی قید ہوں تو کیا آپ میں سے کوئی ایسا ہے جو ان تمام افراد کو تھوڑی سی دیر میں قتل کر سکے؟ جبکہ علی اکبرؑ نے آدھ گھنٹے یا پندرہ منٹ میں اتنے دشمنوں کو دوزخ رسید کیا تھا۔ علی اکبرؑ کی تعریف جہاں امام حسین علیہ السلام نے کی تھی تو آپؑ کے بدترین دشمن نے بھی آپؑ کی تعریف کی تھی۔

ایک مرتبہ امیر شام (معاویہ بن ابی سفیان) نے اپنی محفل میں یہ کہا تھا کہ لوگو! بتاؤ کہ حکومت کا حقدار کون ہے؟ خوشامدیوں نے کہا کہ آپ ہی حقدار حکومت ہیں۔ اس وقت معاویہ نے کہا! نہیں اس وقت اگر کوئی حکومت و اقتدار کا صحیح حقدار ہے تو وہ علیؑ بن الحسینؑ ہے۔ اس کا ناناؐ رسولِ خدا ہے۔ اس میں بنی ہاشم کی شجاعت پائی جاتی ہے۔

معاویہ جیسا مخالف اگر علی اکبرؑ کی ثناء پر مجبور ہوا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ علی اکبرؑ کے صفات سے آگاہی حاصل کر چکا تھا۔ اس سے آپ کو میرا یہ جملہ بالکل صحیح محسوس ہوگا کہ علی اکبرؑ کی شہادت درحقیقت حسینؑ کی وفات تھی۔ البتہ زیادہ محتاط الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علی اکبرؑ کی موت امام حسینؑ کی موت کی پہلی قسط تھی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت علی اکبر علیہ السلام کی قربانی کے انداز میں بھی واضح فرق پایا جاتا ہے۔

قرآن بیان کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا تو اس کے بعد انھوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سامنے اپنا خواب بیان کیا تھا کہ میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ط (سورۂ صافات: آیت ۱۰۲)

اب بتاؤ کہ تمھاری رائے کیا ہے؟

معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند کو اپنے اقدام پر راضی اور مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ بیٹا بڑا سعادت مند تھا۔ اس نے جواب میں عرض کیا:

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (سورۂ صافات: آیت ۱۰۲)

''ابا جان! آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے آپ اس پر عمل کریں''۔

لیکن منیٰ کے برعکس کربلا میں معاملہ بالکل جدا ہے۔ منیٰ میں والد نے بیٹے کو قتل پر مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی جبکہ کربلا میں علی اکبرؑ نے اپنے والد کو اپنی شہادت پر مطمئن کرنے کی کوشش کی اور عرض کیا:

''بابا جان: مجھے جنگ کی اجازت دیں''۔

اب امامؑ کیا کرتے؟ الغرض! بیٹے کو اجازت ملی اور وہ روانہ ہوئے۔ یہ علی اکبرؑ کی روانگی نہ تھی بلکہ باپ پر ''احتضار'' کا عالم طاری ہوا۔

عزادارو!

عام طور پر جب باپ اپنے بیٹوں کو دیکھتے ہیں تو ان کے دیکھنے کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔

امامؑ نے علی اکبرؑ کو دیکھا تو آپؑ کی نظر کی بھی مختلف قسمیں تھیں۔

ایک بار آپؑ نے اپنے فرزند کو نگاہِ محبت سے دیکھا۔

پھر آپؑ نے اپنے فرزند کو شبیہِ رسولؐ کی نظر سے دیکھا۔
پھر آپؑ نے اپنے لختِ جگر کو حسرت کی نظر سے دیکھا۔
پھر آپؑ نے اپنے نورِ نظر کو خوف کی نظر سے دیکھا۔
میں نہیں جانتا کہ وہ نظر کیسی ہوگی؟
سیّدالشہداءؑ کی نظر کی کیفیت مذکورہ قسم کی نظر سے بھی جداگانہ تھی۔

نَظَرَ اِلَیۡہِ نَظَرَ اٰئِسٍ مِنۡہُ......

''حسینؑ نے اپنے فرزند کو مایوسی کی نظر سے دیکھا''۔

یقیناً! حسینؑ علی اکبرؑ کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ اسی لیے آپؑ نے فرزند کو اس نظر سے دیکھا۔

آپؑ نے علی اکبر کو ہتھیار پہنائے۔ بس یہیں سے امامؑ کے احتضار کی پہلی منزل کا آغاز ہوا۔

مخدراتِ عصمت خیمہ میں آگے بڑھیں اور انھوں نے علی اکبرؑ کے گرد ہالہ سا بنا لیا۔ امامؑ نے خواتین سے فرمایا: اب اسے اجازت دو کہ چلا جائے۔

الغرض! علی اکبرؑ نے اپنے والد سے الوداع کیا اور گھوڑے پر سوار ہوئے۔
میں نہیں جانتا کہ علی اکبرؑ نے اپنے والد کو کس نظر سے دیکھا ہوگا۔

خدا جانے کہ باپ کو بیٹے کے فراق کا زیادہ درد تھا یا بیٹے کو باپ کی جدائی کا زیادہ افسوس تھا، جسے وہ نرغہ اعداد میں تن تنہا چھوڑ کر جا رہے تھے۔

علی اکبرؑ گھوڑے پر سوار ہوئے اور گھوڑا چند قدم چلا۔ امامؑ حالت احتضار میں داخل ہو گئے۔

علی اکبرؑ تھوڑا سا چلے کہ امامؑ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش شروع ہوئی اور اپنا رخ آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اُشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غُلَامٌ
اَشْبَہُ النَّاسِ خَلْقًا وَ خُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُوْلِکَ

''خدایا! ان لوگوں پر گواہ رہنا ان کی طرف وہ جا رہا ہے جو خلق، شکل وصورت اور گفتگو میں تیرے رسولؐ کی شبیہ ہے''۔

آپؑ نے دشمنوں کو بددعا دی اور اس میں اپنے فرزند کے شمائل بیان کیے۔

علی اکبرؑ تھوڑا آگے بڑھے تو امامؑ ان کے پیچھے پیدل روانہ ہوئے اور میدان میں ایسی جگہ آ کر کھڑے ہوئے جہاں یزیدی فوج آپؑ کی آواز کو سن سکتی تھی۔ اس وقت آپؑ نے عمر سعد کو مخاطب کر کے اسے بددعا دی اور فرمایا:

قَطَعَ اللّٰہُ رَحِمَکَ کَمَا قَطَعتَ رَحِمِیْ وَلَمْ تحفظ قَرَابَتِی مِنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ

'''خدا تیری نسل کو قطع کرے جیسا کہ تو نے میری نسل کو قطع کیا ہے۔ اور تو نے رسولِ اکرمؐ سے میری قرابت کا لحاظ نہیں کیا''۔

آپؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّۃًۢ بَعْضُھَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴿۳۴﴾ (سورہ آلِ عمران: ۳۳-۳۴)

''یقیناً! اللہ نے چُن لیا ہے آدمؑ، نوحؑ، آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران کو تمام جہانوں سے۔ یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے تھے اور اللہ ہر بات کو سنتا اور سب کچھ جانتا ہے''۔

علی اکبرؑ میدان میں گئے اور امامؑ واپس آئے۔ آپؑ نے مبارز طلبی کی اہل

لشکر آپؑ کے جمال سے مرعوب ہو گئے۔ آپؑ نے رجز پڑھا اور لشکر پر حملہ کیا۔ آپؑ نے ایک سو ساٹھ افراد کو دوزخ روانہ کیا۔

عزادارو!

اس عرصہ میں آپؑ کے بدن پر بہت سے زخم آئے اور خون بہنے کی وجہ سے آپؑ کی طبیعت پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ اس کے علاوہ موسم کی شدت اور میدان کے غبار نے بھی پیاس بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اب آپؑ کے پاس طاقت نہ رہی۔ آپؑ اپنے والد کے پاس آئے۔ آپؑ کا واپس آنا فرار کے زمرہ میں نہیں آتا۔ آپؑ اپنے علیم القدر والد کے پاس آئے۔ نہ جانے امامؑ نے اپنے فرزند کو لہو میں ڈوبا ہوا دیکھا ہوگا تو آپؑ پر کیا گزری ہوگی؟۔

میں کہتا ہوں کہ آپؑ پر دوسرے احتضار کی کیفیت طاری ہوئی۔

واقعاتِ کربلا کا جہاں تک مَیں نے مطالعہ کیا ہے تو مجھے یہ کہیں بھی دکھائی نہیں دیا کہ کسی بچہ یا بی بی نے امامؑ سے پانی طلب کیا ہو کیونکہ وہ جانتے تھے کہ امامؑ کے پاس پانی موجود نہیں ہے اور اگر ہم نے پانی طلب کیا تو اس سے امامؑ کو تکلیف ہوگی۔

حضرت علی اکبرؑ اپنے والد کی پوری معرفت رکھتے تھے اور آپؑ ان کا ادب کرتے تھے۔ اس کے باوجود نہ چاہتے ہوئے بھی آپؑ نے والد سے پانی طلب کیا اور عرض کیا:

یَا اَبَتَاهُ اَلْعَطَشُ قَدْ قَتَلَنِیْ وَثِقْلُ الْحَدِیْدِ اَجْهَدَنِیْ اِلٰی شَرْبَةٍ مَاءٍ مِنْ سَبِیْلٍ

”ابا جان! پیاس نے مجھے مار ڈالا ہے اور اسلحہ کے بوجھ نے مجھے تھکا دیا ہے۔ کیا پانی کا گھونٹ مل سکتا ہے؟“

اب امامؑ کیا کر سکتے ہیں؟ اور کیا جواب دے سکتے ہیں؟ بس آپؑ نے اپنے نُورِنظر کو سینہ سے لگایا اور فرمایا:

''بیٹا اپنی زبان میرے منہ میں رکھو''۔

جب سیّدالشہداءؑ چھوٹے تھے تو آپؑ کو ایک دن پیاس لگی۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا انھیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئیں۔ رسولِؐ اللہ نے اپنی زبان آپؑ کے منہ میں رکھی تھی اور فرمایا تھا:

''میری زبان چوسو، سیراب ہو جاؤ گے''۔

عزادارو!

اب ایک طویل عرصہ کے بعد جب علی اکبرؑ نے پانی مانگا تو امامؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ اپنی زبان میرے منہ میں رکھ دو۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟

میں سمجھتا ہوں کہ امامؑ نے دیکھا کہ میرا فرزند اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ وہ زبان کو چوسنے کے بھی قابل نہیں ہے۔ امامؑ کے پاس ایک انگوٹھی تھی۔ آپؑ نے وہ انگوٹھی فرزند کو دی اور فرمایا کہ تم اسے منہ میں رکھو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ پتھروں میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ اگر اپنے منہ میں رکھا جائے تو اس سے لعاب جمع ہو جاتا ہے۔

پھر آپؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا: ''بیٹا: واپس جاؤ اور دشمنوں سے جنگ کرو''۔

عزادارو!

اس کے ساتھ آپؑ نے اپنے فرزند سے ایک اور جملہ بھی کہا:

''عنقریب تیرا نانا تجھے ایسا جام پلائے گا جس کے بعد تو پیاسا نہیں رہے گا''۔

گویا امامؑ کہہ رہے ہیں: فرزند! اس دنیا میں تمہیں پانی ملنا محال ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جب امامؑ نے یہ کہا ہو گا تو آپؑ کے جگر پر چھری چل گئی ہو گی اور اس سے حسین پر احتضار کی ایک اور کیفیت طاری ہوئی ہو گی۔

بہرنوع! علی اکبرؑ میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھا:

اَنَا عَلِیُّ ابْنُ الْحُسَیْنِ ابْنِ عَلِیٍّ

نَحْنُ وَبَیْتُ اللهِ اَوْلٰی بِالنَّبِیِّ

جب جنابِ علی اکبرؑ دوبارہ میدانِ قتال میں واپس لوٹے تو آپؑ نے یہ رجز پڑھا:

اَلْحَرْبُ قَدْ بَالَتْ لَنَا الْحَقَائِقُ

وَظَهَرَتْ مِن بَعْدِهَا مَصَادِقُ

پھر آپؑ نے دوسرا حملہ کیا اور حملہ سے آپؑ کے ہاتھوں مقتولوں کی تعداد دو سو تک جا پہنچی۔ اس وقت ابن سعد نے اپنے دو افسروں نوفل اور ایک دوسرے سے کہا کہ جوان کو گھیر لو۔ چنانچہ! حکم ملنے کی دیر تھی کہ دو ہزار سواروں نے آپ کا محاصرہ کیا لیکن آپؑ نے ایسا حملہ کیا کہ سب کو پسپا ہونا پڑا۔

پھر ابن سعد (ملعون) نے چیخ کر کہا کہ چاروں طرف سے اس کو گھیر لو۔ اس کے بعد چاروں طرف سے دشمنوں نے آپؑ کو گھیر لیا۔ مُرہ بن منقذ عبدی نے پسِ پشت آپؑ پر حملہ کیا۔ آپؑ کے سرِ اطہر پر تلوار لگی اور آپؑ کا سر پھٹ گیا۔

اس حملہ کی وجہ سے آپؑ پر کمزوری چھا گئی اور آپؑ فوراً زمین پر بیٹھنے کے قابل نہ رہے اور آپؑ کی غیرت آپؑ کو اجازت بھی نہ دیتی تھی کہ اپنے آپؑ کو گھوڑے سے گرا دیں۔

عزادارو!

پھر آپؑ نے گھوڑے کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ گھوڑے کے لیے نکلنے

کا کوئی راستہ نہ تھا۔ دشمن ہر طرف سے گھیر چکے تھے۔ گھوڑا آپ کو دشمن کی لشکر گاہ میں لے گیا۔ ظالموں نے ہر طرف سے آپؑ پر حملے کیے اور اپنی تلواروں سے آپؑ کے ٹکڑے کر دیئے۔ اس حالت میں یا جب آپؑ زمین پر آئے تو آپؑ کی روح پرواز کر گئی۔

یہ وہ وقت تھا جب سیّدالشہداءؑ کی احتضار کے بغیر وفات ہوگئی۔ اس وقت تین چیخیں بلند ہوئیں۔

پہلی چیخ علی اکبر کی تھی جو کہ انھوں نے شہادت کے وقت بلند کی تھی۔

يَا اَبَتَاهُ عَلَيْكَ مِنِّي السَّلَامُ

''ابا جان! میری طرف سے آپؑ پر سلام ہو''۔

اس سلام کے ذریعہ سے آپؑ یہ کہنا چاہتے تھے کہ ابا جان! آنا چاہیں تو پھر وفات کے بعد ہی آنا کیونکہ اب وقت کم رہ گیا ہے۔

پھر علی اکبرؑ نے کہا: ''ابا جان! میرے نانا جان آئے ہیں اور وہ آپؑ کو سلام دیتے ہیں۔ انھوں نے مجھے ایسا جام پلایا ہے کہ اب مجھے پیاس محسوس نہ ہوگی''۔

آپؑ نے یہ کہا میں یہ نہیں کہتا کہ آپؑ میری لاش پر آئیں۔ مَیں نے ناناؐ کے ہاتھ میں آپؑ کے لیے ایک جام دیکھا ہے جو کہ آپ کے لیے مخصوص ہے اور وہ یہ کہہ رہے ہیں:

''میرے فرزند! میرے حسینؑ! جلدی آؤ، جلدی آؤ''۔

دوسری آواز جو بلند ہوئی تھی وہ خیام میں امام حسین علیہ السلام کی آواز تھی۔ آپؑ نے جیسے ہی علی اکبرؑ کی آواز سنی تو آپؑ نے بلا اختیار یہ کہا:

يَا بُنَيَّ قَتَلُوكَ ''میرے فرزند انھوں نے آپؑ کو قتل کر دیا ہے''۔

یہ جملہ آپؑ نے اس لیے کہا تھا کہ آپؑ علی اکبرؑ کے جملہ کا مقصد جان گئے

تھے۔اب وفاتِ امامؑ کے لمحات شروع ہوتے ہیں۔اس کی گواہی سیّدہ سکینہ سلام اللہ علیہا کے ان الفاظ سے ملتی ہے کہ مَیں نے اپنے والدؑ کو دیکھا کہ خیام کے اطراف میں نگاہیں پھیر رہے تھے اوران پر جان کنی کا عالم طاری تھا۔

اس وقت جو تیسری آواز بلند ہوئی وہ حضرت زینب عالیہؑ کی آواز تھی۔آپؑ کہہ رہی تھیں:

یَاحَبِیْبَ قَلْبَاہُ وَاثَمَرَۃَ فُؤَادَہُ

''ہائے میرے حبیبِ قلب! ہائے میرے ثمرۂ دل''۔

یا——''اے حبیب قلب! ہائے میرے ثمرۂ دل'' یا اس سے ملتے جلتے الفاظ آپؑ نے کہے تھے۔

امامؑ خیام سے نکل کر میدان کی طرف روانہ ہوئے۔آپؑ آہستہ آہستہ چل رہے تھے جبکہ دوسرے شہداء کی لاشیں اٹھانے کے لیے آپؑ تیزی سے جاتے تھے لیکن علی اکبرؑ کے لیے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔معلوم ہوتا ہے کہ اب ان میں چلنے کی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔

چند لمحات بعد آپؑ علی اکبرؑ کی لاش پر آئے اور بعض روایات کے مطابق آپؑ کو یہاں علی اکبرؑ کی مصیبت سے بھی بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔

آپؑ نے ایک پردہ دار خاتون کو علی اکبرؑ کی لاش کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا یہ خاتون علی اکبرؑ کی ماں جنابِ لیلیٰ سلام اللہ علیہا تھیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن

روزِ عاشور کا خطاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

۱ کھیعص (ک... ھا... یا... عین... صاد)

۲ وَ مَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّہٖ سُلۡطٰنًا فَلَا یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مَنۡصُوۡرًا (بنی اسرائیل:۳۳)

''اور جو شخص مظلوم مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے پس اسے قتل میں حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ یقیناً نصرت اس کی ہوگی''۔

۳ یٰۤاَیَّتُہَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ○ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ○ فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ ○ وَ ادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ○

(الفجر ۲۷ تا ۳۰)

''اے نفسِ مطمئنہ! اپنے رب کی طرف پلٹ آ، اس حال میں کہ تُو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہو۔ پھر میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا''۔

عزادارانِ امامؑ!

یہ آیات اسی مظلومؑ کی شان میں ہیں۔ ان میں ہر آیت کی ایک تفسیر ہے لیکن آج ان آیات کی تفسیر سے ہمارے لیے ایک اور بات زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں اس مظلومؑ کے حق کی ادائیگی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الفتح: آیت ۴)

''آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر خدا کی ملکیت ہیں''۔

اس آیت میں اللہ نے بندوں سے نصرت طلب کی ہے۔اور فرمایا ہے:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (سورۂ محمد: آیت ۷)

''اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو وہ تمھاری مدد کرے گا''۔

خدا کی مدد کی کئی صورتیں ہیں۔ اس کی اہم صورت یہ ہے کہ نصرت مظلوم کی جائے......ابوعبداللہ مظلوم کی نصرت کی جائے۔

وَمَنْ نَصَرَهُ نَصَرَ اللّٰهِ وَنَصَرَهُ اللّٰهِ

''جس نے اس مظلوم کی مدد کی تو اس نے خدا کی مدد کی اور خدا اس کی مدد کرے گا''۔

شہدائے کربلاؑ کی زیارت میں آپ یہ جملہ پڑھتے ہیں:

يَا اَنْصَارَ اللّٰهِ! ''اے خدا کے مددگارو!

کچھ بعید نہیں کہ آپ لوگوں کو بھی يَا اَنْصَارَ اللّٰهِ میں شامل کرلیا جائے۔

اے انصار اللہ! آج خدا کی نصرت کا دن ہے۔

عزادارو!

نبی اکرمؐ امت کو ایک امانت دے کر گئے تھے۔آپؐ نے وہ امانت صرف ان افراد کے سپرد نہیں کی تھی جو اس وقت آپؐ کے منبر کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے حسینؑ بن علیؑ کی صورت میں یہ امانت سب کے سپرد کی تھی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا تھا:

''میں اپنی یہ امانت تیرے اور صالح المومنین کے سپرد کرتا ہوں''۔

خدا کے فضل سے آپ حضرات ''صالح المومنین'' میں شامل ہیں۔

ودیعت نبویؐ کے امین لوگو!

آج امانت کی حفاظت کا دن ہے۔

آج کا دن امانت کی حفاظت کا دن ہے لہٰذا اس میں کوئی کوتاہی نہ کرو۔ جس دن سیّدالشہداءؑ مکہ سے عراق کے لیے نکلے تھے تو جبریل امین نے آپؑ کا ہاتھ پکڑ کر یہ منادی کی تھی:

هَلِمُّوا اِلٰى بَيْعَةِ اللهِ

''آؤ! خدا کی بیعت کرو''۔

میں نہیں جانتا کہ کیا آپ نے بھی بیعت کی تھی؟

حسینیؑ بیعت کرنے والے لوگو!

آج بیعت کے پورا کرنے کا دن ہے۔ کیا آج آپ تھک جائیں گے؟ کیا آج کا دن کسی توجہ کے بغیر بسر کریں گے؟ آج کی مجلس نسبتاً لمبی ہوگی تو کیا آپ تھک جائیں گے؟ اور کیا آج کے دن بھی آپ نے دنیاداری کا کوئی کام سرانجام دینا ہے؟

عزادارو!

آج کے دن جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ انتہائی وسیع و عریض دروازہ کھلے گا اور یہ ایسا دروازہ ہے جس میں داخل ہونا آسان ہے۔

اے جنت کے دروازوں سے ہٹائے ہوئے لوگو!

آج کے دن حسینؑ کی برکت سے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے۔

تم امامؑ کا توسل حاصل کرو اور ان میں داخل ہو جاؤ۔

آج کے دن درجات کی بلندی کے لیے ایک زینہ نصب کیا جائے گا، لہٰذا درکاتِ دوزخ میں گرنے والے لوگو! ہوش میں آؤ۔

آج بلندی کے لیے زینہ نصب کیا جائے گا اور وہ زینہ حسینؑ زینہ ہے، لہٰذا آؤ اوراس کے ذریعہ سے بلندیوں پر آجاؤ۔

اے ولایتِ آئمہؑ کے نور سے خمیر پانے والو!

اے طینتِ آئمہؑ سے پیدا ہونے والو!

آج کے دن آپ کا خمیر ولایت ظاہر ہوگا اور آئمہؑ کی بقیہ طینت کے اثرات نمایاں ہوں گے۔

آج کے دن نبی اکرمؐ اور مولا صاحب الزمانؑ سمیت تمام آئمہؑ کے حالات انتہائی مغموم ہیں۔

اگر کوئی چیز سورج کے سامنے حائل ہوتو اس کا اثر شعاعوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

چنانچہ! وہ افراد جو اپنے آپ کو آئمہؑ کے سورج کی شعاعیں سمجھتے ہیں تو آپ کی حالت میں بھی تغیر پیدا ہونا چاہیے۔

آج، کل اور پرسوں کے ایام میں آپ کی حالت بھی وہی ہونی چاہیے جو سیّدالشہداءؑ کی تھی۔

ان ایام عزا میں آپ کی شکل وصورت بتا دے گی کہ آپ واقعی آئمہؑ کی بچی ہوئی طینت سے پیدا ہوئے ہیں یا نہیں؟

اے عزادارو!

آج کے دن غریب کی آوازِ استغاثہ بلند ہوگی۔ اس آواز کو ''واعیہ'' کہا جاتا ہے اوراسی کے متعلق امام مظلومؑ نے فرمایا تھا:

من سمع واعيتنا فلم ينصرنا اكبه الله فی نار جهنم

’’جس نے ہماری نصرت طلبی کی صدا سنی پھر ہماری مدد نہ کی تو خدا اسے اُلٹے منہ دوزخ میں پھینک دے گا‘‘۔

میں چاہتا ہوں کہ آج کی گفتگو امامؑ کے حالات کے مطابق ہو۔

اس دن امامؑ پر کچھ ایسے حالات گزرے جہاں لَبیكَ کہنا پڑتا ہے۔

کچھ حالات ایسے ہیں جنہیں سن کر رُوحِیْ لِرُوحِكَ الْفِدَا کہنا پڑتا ہے۔

کچھ حالات سن کر امامؑ پر صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ کہنا پڑتا ہے۔

بعض حالات ہم سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم مظلوم کے گرد ہالہ بنالیں۔

بعض حالات ہم سے آپؑ کے دفاع کا تقاضا کرتے ہیں۔

بعض حالات ہم سے حضرتؑ کو دیکھنے کا تقاضا کرتے ہیں۔

آپؑ کے کچھ حالات ایسے ہیں جو ہم سے آپؑ کی تجہیز کا مطالبہ کرتے ہیں۔

لیکن وہ حالات کل بیان کیے جائیں گے۔

اس وقت تصور میں خیام، میدان اور مقتل کو رکھیں۔ پھر اپنی چشمِ تصور میں سیّدالشہداءؑ کو لائیں۔ اگر آپ خدا کی مخصوص عبادت بجالانا چاہتے ہیں۔ آپ ایسی عبادت کرنے کے خواہش مند ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نے یہ عبادت نہ کی ہو۔ نیز یہ کہ آپ خدا کی ایسی عبادت بجالانا چاہتے ہیں جس میں تمام واجبات، تمام مستحبات اور تمام خصائل موجود ہوں تو پھر اچھی طرح سے دیکھئے کہ طلوع فجر سے لے کر ظہر تک یا ظہر کے بعد تک آپ نے کیسے عبادت کی۔

آپ نے کیسے نماز پڑھی!

آپ کیسا وعظ کرتے ہیں!

کیسے رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں!

کیسے حج کرتے ہیں!

کیسے جہاد کرتے ہیں!

کیسے روزہ رکھتے ہیں!

کیسے افطار کرتے ہیں!

کیسے بیمار کی عیادت کرتے ہیں!

کیسے تجہیز کرتے ہیں!

کیسے پیاسے کو پانی پلاتے ہیں!

کیسے ایک ہی دن میں پورے رمضان کے روزے رکھتے ہیں!

کیسے عیدالفطر ادا کرتے ہیں!

کیسے عیدالاضحیٰ ادا کرتے ہیں!

ذرا غور سے دیکھیں کہ آدمؑ صفی اللہ کے صفت کا اظہار کیسے کرتے ہیں اور وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کے منبر پر کیسے بلند ہوتے ہیں۔

پھر اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ کا مصداق کیسے بنتے ہیں!

پھر نجات عالمین کے سفینہ کے ناخدا کیسے بنتے ہیں اور سَلَامٌ عَلَى الۡحُسَيۡنِ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ کے مظہر کیسے بنتے ہیں۔

پھر غور سے دیکھیں کہ آپ ابراہیمؑ خلیل اللہ" کی صفت کے مظہر کیسے بنتے ہیں!۔

آپ دین کا کعبہ کیسے تعمیر کرتے ہیں!

اور وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ کے مصداق کیسے بنتے ہیں!

پھر دیکھیں کہ کربلا کی منیٰ میں اپنے بیٹے کی قربانی کیسے دیتے ہیں!

ذرا اور توجہ سے دیکھیے کہ مولا حسینؑ صحرائے کربلا میں موسیٰ کلیم اللہؑ کے مظہر کیسے بنتے ہیں!

اور دیکھیں کہ کربلا کے طورسینا میں آپؑ اپنے خدا سے کیسے مناجات کرتے ہیں!
ذرا اورتوجہ سے دیکھیں کہ آپ عیسیٰؑ روح اللہ کے مظہر کیسے بنتے ہیں!
لیکن عیسیٰؑ قتل نہیں ہوئے تھے اور صلیب پر بھی نہیں چڑھے تھے جبکہ فخرِ عیسیٰؑ قتل بھی ہوئے اور ان کے سر کو نوک نیزہ کی صلیب پر بھی چڑھایا گیا۔
ذرا دیکھیں کہ آپ یعقوبؑ (اسرائیل اللہ) کی صفا تکے مظہر کیسے بنتے ہیں!
اور آپ یوسفؑ کے مرتبہ کو کیسے حاصل کرتے ہیں!
اور آپ زکریاؑ کی صفت کا کیسے اظہار کرتے ہیں!
ذرا توجہ سے دیکھیں کہ آپ ''یحیٰؑ مظلوم'' کی صفت کا مظہر کیسے بنتے ہیں!
پھر دیکھیں کہ سلطان کربلاؑ عالم امکان میں سلیمانؑ کا مرتبہ کیسے حاصل کرتے ہیں!
اچھی طرح سے دیکھیں کہ آج کے دن حسینؑ کعبہ (بیت اللہ) کیسے بنتے ہیں اور پھر حج کیسے کرتے ہیں اور احرام کیسے باندھتے ہیں اور تلبیہ کیسے کرتے ہیں۔ آپ خود ''عرفہ'' کیسے بنتے ہیں اور آپ وقوف مشعر کیسے کرتے ہیں اور منیٰ کیسے بنتے ہیں۔

معزز سامعین!

آج ہم نے تمام مجموعہ عبادات پر گفتگو کرنا ہے۔ ان میں سے ہر موضوع تفصیل کا طلب گار ہے۔ آپ کی نماز کا تعلق ظاہر سے بھی ہے اور باطن سے بھی ہے۔ آپ کی تکبیر، رکوع وسجود کی بھی ایک تفصیل ہے۔

آج میں آپ کی مخصوص حج کے کچھ اعمال بیان کرتا ہوں۔ آپ اس کی حالت کو ملاحظہ کریں۔

آج کے دن کی صبح آپ کے اعمال میں صفا ومروہ کے درمیان ''سعی'' کا عمل مشکل تھا۔ اسی طرح سے عرفہ، مشعر اور صفا ومروہ کے اعمال شامل تھے۔

خیمہ گاہ ''صفا'' تھی اور مقامِ شہادت ''مروہ'' تھی۔ اس کے درمیان آپؑ کبھی تیزی سے چلتے تھے اور کبھی آہستہ چلتے تھے۔

عزادارو!

اب ذہن میں مظلومؑ کی حالت کا تصور کریں اور چشمِ تصور سے خیام اور مقتل کے درمیان آپؑ کی ''سعی'' کو ملاحظہ فرمائیں اور ان دو مقامات میں آپؑ کے آنے اور جانے کو دیکھیں۔

تین دنوں کا پیاسا جسے ہر طرف سے دشمنوں نے گھیر رکھا تھا، وہ کس طرح سے ''سعی'' میں مصروف رہا؟

کیا اب میں یہ بتاؤں کہ آپؑ نے کتنے بار ''سعی'' کی اور آپؑ نے کتنے طواف کیے اور کیا میں آپؑ کے تیزی سے چلنے کو بیان کرو؟

آپ نگاہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ مظلوم حسینؑ اور حبیب بن مظاہر صفا و مروہ میں سعی کررہے ہوں گے اور دونوں مل کر شہید مسلمؓ بن عوسجہ کے پاس گئے۔

دوبارہ نگاہ کریں آپ دیکھیں گے کہ صفا و مروہ کے درمیان جا رہے ہیں اور اس بار آپؑ کے ساتھ علی اکبرؑ اور کچھ دوسرے جوان ہیں اور وہ آپؑ کو کربلا کے شہید حر بن یزید ریاحی کے لاشہ پر جاتے ہوئے نظر آئیں گے۔

مَیں نے چشمِ تصور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپؑ نے اس عمل کو ستر بار دہرایا۔ پھر مَیں نے پوری طرح توجہ کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ مولا حسینؑ تن تنہا بہت دُور جا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ اور کوئی بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ سیاہ فام غلام جون کا لاشہ اٹھانے جا رہے ہیں۔

مَیں نے آپؑ کے وقوفات (ٹھہرنے) پر نظر کی تو مَیں نے دیکھا کہ آپؑ ایک جگہ کھڑے ہیں، بیٹھے نہیں! اس بار آپؑ تیزی سے چلے تھے۔ پھر ایک جگہ آ کر

رُک گئے۔ مَیں نے دیکھا تو وہ ''قاسمؑ'' کا لاشہ تھا۔

لیکن آپؑ بیٹھے کیوں نہیں؟ اس لیے کہ ان میں نہ تو روح باقی تھی اور نہ جسم باقی تھا کہ بیٹھ سکتے۔ آپؑ نے یہ منظر دیکھا کہ قاسمؑ ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔

مَیں نے پھر چشمِ تصور سے دیکھا تو مجھے یہ دکھائی دیا کہ آپؑ ایک اور لاشہ کی طرف جا رہے تھے اور وہاں جا کر رُک گئے۔ اس بار آپؑ کو طویل سعی نہیں کرنا پڑی تھی جیسے ہی وہاں پہنچے تو بیٹھ گئے۔

مجھے معلوم نہیں ہے کہ اپنے اختیار سے بیٹھے تھے یا بے اختیار ہو کر گرے تھے۔ یہ لاشہ ان کے نُورِ نظر علی اکبرؑ کا لاشہ تھا۔

عزادارو!

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو رسولِ خداؐ نے ان کی تجہیز و تکفین کے تمام اعمال بجا لائے۔ جب دفن کرنے کی باری آئی تو آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ قبر میں اُترو اور میرے فرزند کو دفن کرو۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام قبر میں اُترے اور رسولِ خداؐ کے بیٹے کو قبر میں اُتارا۔

اس پر لوگوں نے یہ باتیں کیں کہ باپ کے لیے بیٹے کی قبر میں اترنا جائز نہیں ہے کیونکہ رسولِ خداؐ خود قبر میں نہیں اُترے تھے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''لوگو! اپنی اولاد کو اپنے ہاتھ سے قبر میں اُتارنا تم پر حرام نہیں ہے۔ البتہ! مجھے یہ خدشہ ہے کہ جب کوئی باپ بیٹے کی قبر میں اُتر کر اس کے منہ سے کفن ہٹائے تو کہیں شیطان اس سے کھیلنے نہ لگ جائے اور وہ اتنی جزع اور بے صبری میں مبتلا ہو جائے کہ اس کا اجر ہی ضائع ہو جائے''۔

عزادارو!

اب کربلا میں آیئے! علی اکبرؑ کے چہرے پر کوئی پردہ پڑا ہوا نہیں تھا۔ یہاں پہنچ کر امامؑ نے ایک اور کام کیا۔ آپؑ نے اپنے جوان بیٹے کے منہ سے خون اور مٹی کو جھاڑا۔ جی ہاں! مظلوم کے تمام وقوفات کو بیان کرنے کے لیے بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہے۔

آپ کچھ لوگوں کی یوں کہہ کر تشیع کرتے تھے کہ اسے اٹھا لو۔ کچھ لاشوں کو آپؑ خود اٹھاتے تھے۔

آپؑ نے کچھ شہداء کے جنازے اٹھائے اور کچھ کے جنازے دوسروں نے اٹھائے۔ ہر عمل میں کوئی نہ کوئی حکمت تھی اور کوئی نہ کوئی راز پوشیدہ تھا لیکن یہ موضوع قابلِ برداشت نہیں ہے۔

کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی وہی حالت ہو جو کہ دوسرے ایام میں ہوتی ہے؟

آپؑ لاشے اٹھا کر آتے جاتے رہے اور شہداء کی لاشوں کو ایک دوسرے پر رکھتے رہے اور یہ عمل اس وقت تک جاری رہا جب تک آپؑ کے پاس کچھ اصحاب یا اہل بیت کے افراد باقی تھے اور جب تک ایک بھی نفر باقی تھا تو آپؑ لاشوں کو ایک دوسرے پر رکھتے رہے۔

ذکرِ شہادت: امامِ مظلومِ کربلا مولا حسینؑ

اب میں خود امامؑ کا ذکرِ مصیبت بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جب آپؑ تن تنہا رہ گئے۔ سامعین! اپنے امامؑ کی حالت کا تصور کریں۔

تمام تر زخموں اور مصائب کے بعد آپؑ تن تنہا رہ گئے اور آپؑ کے پاس کوئی بھی باقی نہ رہا۔

آپؑ نے دائیں دیکھا تو کوئی دکھائی نہ دیا۔

آپؑ نے بائیں دیکھا تو کوئی دکھائی نہ دیا۔

سامعین!

سوچیں کہ امامؑ نے دائیں بائیں کیوں دیکھا تھا۔

میں اپنی طرف سے کہتا ہوں کہ امامؑ نے اس لیے دیکھا تھا کہ کیا تم موجود ہو؟

یہ نہ سوچیں کہ اگر آپ نے آج ان کی مدد کی تو پھر آپ کو اس سے کیا ملے گا؟

سامعین!

آپ پر عنقریب وہ لمحہ آنے والا ہے جب آپ نے دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ اس وقت آپ بھی دائیں بائیں دیکھیں گے تو آپ کو وہاں آپ کا کوئی مددگار دکھائی نہ دے گا۔ لہٰذا آج آپ مظلوم امامؑ کی مدد کریں اور موت کے وقت وہ آپ کی مدد کریں گے۔

اب آپ چشمِ تصور سے خیام کا منظر ملاحظہ فرمائیں۔ وہاں آپ کو غریب کربلاؑ تن تنہا کھڑا ہوا دکھائی دے گا۔ پھر انھوں نے باری باری خیام میں جانا شروع کیا کبھی اس خیمہ میں گئے اور کبھی اس خیمہ کا رُخ کیا۔ ان کے اس عمل سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ آپؑ تمام اہل خیام سے الوداع کرنے والے ہیں۔

تمام مخدراتِ عصمت سید سجادؑ کے خیمہ میں جمع ہو گئیں۔ امامؑ چاہتے ہیں کہ جانے سے پہلے سجادؑ کو الوداع کہیں اور اسرار امامت ان کے سپرد کریں۔

خواتین اور بچوں نے آپؑ کو گھیرا ہوا ہے۔ دنیا کا اصول ہے کہ جب کوئی الوداع کہتا ہے تو گھر والوں سے یہ کہتا ہے کہ میں تمہیں فلاں کے سپرد کرتا ہوں لیکن مولا حسینؑ پر ایسی غربت طاری تھی کہ کسی کو اپنی پردہ دار بی بیوں کے لیے وصیت نہیں کر سکتے تھے۔

اسی لیے امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ''میں تم سب کو خدا کے حوالے کرتا ہوں''۔

عزادارو!

اب مَیں نے امام مظلومؑ کی حالت کو دیکھا تو مجھے یہ دکھائی دیا کہ آپؑ تکلیف اِلٰہی کی ادائیگی کے لیے میدان میں جانے کا ارادہ کر چکے ہیں۔

مَیں نے دیکھا کہ آپؑ تیاری کر چکے ہیں۔ آپؑ کا چہرہ گلنار ہو چکا ہے۔ آپؑ کے رخسار سرخ ہو چکے ہیں۔ آپؑ نے پوری تیاری کر لی ہے۔ پھر آپؑ خیام سے باہر آئے لیکن کس حالت میں برآمد ہوئے۔

آپؑ محمدؐ کی نورانیت، حیدریؑ سطوت، احمدیؐ روشنی، جرأتِ حیدریؑ، حسنؑ کی تازگی، زہراؑ کی عظمت اور حسینیؑ شجاعت لے کر خیام سے برآمد ہوئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپؑ پوری طرح سے مطمئن تھے۔ آپؑ کو نہ تو پیاس کا خیال تھا اور نہ ہی آپؑ اپنے خاندان کے لیے مضطرب تھے۔ آپؑ کے چہرے سے پورا وقار و سکون مترشح تھا۔

آپؑ خیام میں آگے بڑھے لیکن دیکھو کہ کیسے آگے بڑھے؟ ابھی آپؑ چند قدم ہی چلے تھے کہ آپؑ کے پیچھے ایک معصومہ بچی آئی۔

سامعین!

کیا بچی کی آواز آپ سن رہے ہیں؟

اگر آپ نے نہیں سنی تو کم از کم میں سن چکا ہوں۔ معصومہ بچی کہہ رہی تھی کہ مجھے ایک چیز کی خواہش ہے۔ میں آپؑ کو روکنا بھی نہیں چاہتی لیکن ابا جانؑ! چند لمحات کے لیے رُک جائیں تاکہ میں جی بھر کر آپؑ کو دیکھ سکوں۔

بچی یہ کہنا چاہتی تھی کہ میں آخری بار آپؑ کو دیکھنا چاہتی ہوں اور آپؑ کی یہ زیارت میری پوری زندگی کا سرمایہ ہو گی۔

امامؑ رُک گئے یا گھوڑے سے اُترے۔ معصومہؑ کو سینہ سے لگایا اور بچی کو تسلیاں دیں۔

کچھ کتب مقاتل میں یہ جملہ بھی دکھائی دیتا ہے لیکن اس کی سند معتبر نہیں ہے کہ بچی نے اپنے والد سے یہ پوچھا:

ابا جان! کیا آپؑ دوبارہ واپس آئیں گے؟

حضرت امامؑ اپنے پورے جلال اور رعب کے ساتھ میدان کی طرف چلے۔ آپؑ کے سر پر رسول خداؐ کا عمامہ تھا۔ آپؑ نے پیغمبرؐ اسلام کی زِرہ پہن رکھی تھی۔ اس طرح سے آپؑ لوگوں کو اپنی شخصیت سے متعارف کرانا چاہتے تھے۔

الغرض! آپؑ میدان میں آئے اور لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا حسب و نسب بیان کیا۔ پھر آپؑ نے رجز پڑھے۔

میں آپؑ کے رجز بیان نہیں کروں گا۔ مجھے اس سے بھی اہم بات کہنا ہے۔

اس کے بعد آپؑ نے جنگ شروع کی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ سیّدالشہداؑ، مولا امیر المومنین علیہ السلام سے زیادہ بہادر تھے۔ ایسا کہنا خلاف ادب ہے۔ البتہ میں اتنا ضرور کہتا ہوں کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ایسے حوصلہ شکن حالات میں کبھی جنگ نہیں کی تھی اس لیے آپؑ کو اس طرح کے جوہر دکھانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

سامعین!

امیر المومنین علیہ السلام نے بڑی جنگیں کی تھیں لیکن ایسے حالات میں آپؑ نے کبھی جنگ نہ کی تھی کہ پیاس کا غلبہ ہو، خیام سے العطش کی آوازیں بلند ہوں، سامنے بھائیوں، بیٹوں اور عزیز و اقارب اور جانثار صحابہ کی لاشیں پڑی ہوں۔

اس طرح کا منظر بڑے سے بڑے دلیر انسان سے شجاعت کے مواقع چھین

لیتا ہے۔ جہاں بھائیوں اور بیٹوں کی لاشیں پڑی ہوئی ہوں تو وہاں بہادر ترین شخص بھی حوصلہ ہار جاتا ہے۔

میں آپ حضرات کے سامنے حضرتؑ کی شجاعت کا ایک خاکہ سا بیان کرنا چاہتا ہوں تا کہ اس کا حق ضائع نہ ہو جائے۔ آپؑ کی شجاعت کے تین زاویے تھے۔

آپؑ نے دشمنوں کو مقابلہ کی دعوت دی۔ دشمن آپؑ پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے حملہ کے سامنے آپؑ پہاڑ کی مانند ثابت قدم رہے اور آپؑ یوں جمے رہے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ دشمن کی فوج کے تمام بہادر بھاگ کھڑے ہوئے۔

آپؑ نے ہر آنے والے سے جنگ کی یہاں تک کہ اس کے بعد مقابلہ کرنے والا کوئی باقی نہ رہا۔

یہ آپؑ کی لڑائی کی کیفیت تھی۔

عبداللہ بن عمار بن عبد یغوث کا بیان ہے: ''حسینؑ کے سامنے تیس ہزار کا لشکر تھا۔ آپؑ کے تابڑ توڑ حملوں کی وجہ سے لشکر پسپائی پر مجبور ہو گیا اور یزیدی فوج منتشر ٹڈیوں کی طرح سے بھاگتی ہوئی دکھائی دی۔ آپؑ نے لشکر کے مقدمہ، ساقہ اور قلب لشکر اور ان کے میمنہ و میسرہ کو الٹ کر رکھ دیا۔ ان کی صفیں تتر بتر ہو گئیں۔ ان کے پرچم اور جھنڈے گر گئے۔

آپؑ نے اپنی تلوار سے ان کے سروں کی کھیتی کو کاٹا۔ پھر آپؑ اپنے مرکز پر واپس آئے اور کہا:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

جب لشکر نے یہ حال دیکھا تو انھوں نے دُور سے آپؑ کا گھیراؤ کیا لیکن کسی کو بھی آپؑ کے قریب آنے کی جرأت نہیں تھی۔ کچھ خبیثوں نے خیام کا رخ کیا تو آپؑ نے انھیں غیرت دلائی اور فرمایا جرأت ہے تو مجھ سے لڑو۔

آپؑ کے ان الفاظ سے شمرلعین بھی متاثر ہوا اور اس نے اپنی فوج سے کہا کہ خبردار! خیام کا رُخ نہ کرو۔ حسینؑ کے ہاتھ سے قتل ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔

اسی اثناء میں آپؑ نے کئی بار فرات کا رخ کیا۔ میں یہ گمان نہیں کرتا کہ امامؑ خود پانی پینے کے لیے گئے ہوں گے۔ آپؑ صرف مخدراتِ عصمت اور شیرخوار بچہ کے لیے پانی لانے کے خواہش مند تھے۔

جی ہاں! آپؑ نے کئی بار فرات جانے کا ارادہ کیا۔ آپ چاہتے تھے کہ ان کے ضمیر بیدار ہوں لیکن ان بے ضمیر افراد نے رقت قلب کے اظہار کے بجائے طعن و تشنیع کے تیر برسائے۔

آپؑ ایسی جگہ کھڑے تھے جہاں سے فرات کا پانی دکھائی دیتا تھا۔ ایک لعین نے آواز دے کر کہا:

"حسینؑ! پانی دیکھ رہے ہو؟ ہم تمہیں اس کا ایک قطرہ تک بھی پینے نہ دیں گے۔ یہاں تک کہ آپؑ حسرت لے کر دنیا سے چلے جائیں"۔

بہرنوع امامؑ نے کوشش کی یہاں تک کہ فرات تک پہنچ گئے لیکن آپؑ نے پانی نہیں پیا۔ پھر واپس خیام کی طرف چلے آئے۔ اب آپؑ اہل و عیال کو الوداع کرنے کے لیے آئے۔ آپؑ نے مستورات سے فرمایا کہ سروں پر چادریں لے لو۔ اس بار آپؑ نے عیال کی حالت ملاحظہ کی۔ پیاسوں کی حالت ملاحظہ کی اگرچہ آپؑ کا بدن نازنین زخموں سے چُور چُور تھا۔

عزادارو!

حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ آپؑ کے زخموں کے خون سے آپؑ کی زرہ کا بیرونی حصّہ تر تھا۔ پھر آپؑ نے اپنے بچوں کی حالت دیکھی تو جلال آیا اور آپؑ نے ایسا حملہ کیا جس سے حسینیؑ شجاعت کا اظہار ہوا۔

حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آپؑ نے بہت بڑی جنگ کی یہاں تک کہ آپؑ پر کمزوری چھا گئی۔ آپؑ کچھ دیر آرام کے لیے رُکے۔ ابھی آپؑ کھڑے تھے کہ دشمن کی طرف سے ایک پتھر آیا جو کہ آپؑ کی جبین مبارک پر لگا۔ آپؑ نے اپنی قمیض کا دامن بلند کیا تا کہ اپنی آنکھ اور پیشانی کا خون صاف کریں۔ قمیص اٹھنے کی وجہ سے آپؑ کا وہ سینہ ظاہر ہوا جسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چومتے ہوئے نہیں تھکتے تھے۔ پھر اچانک ایک تیر آیا جس کی تین نوکیں تھیں۔ وہ تیر سیدھا آپ کے سینہ پر لگا جس کی وجہ سے کسی پرنالے کی طرح سینہ سے خون نکلنے لگا۔

یہ خون آپؑ کے دل کا خون تھا۔ امامؑ نے اس تیر کو اپنی پشت سے نکالا اور کہا بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ اس تیر نے فیصلہ کن کردار ادا کیا اور آپؑ کے ہاتھ تلوار اٹھانے سے عاجز ہو گئے۔ وہ لشکر جو دور کھڑا تھا اور کسی کو قریب آنے کی جرأت نہ تھی اب امامؑ کی کمزوری کو دیکھ کر اس کے حوصلے بڑھ گئے۔

بھائیو!

جب امامؑ کے اصحاب شہید ہو گئے تو آپؑ کے اہل بیتؑ موجود تھے۔ ایک میدان میں جا کر شہید ہوتا تو دوسرا امامؑ کی حفاظت کرتا تھا اور جب آپؑ کے خاندان کے تمام افراد شہید ہو گئے تو مولا حسینؑ کی حفاظت کرنیوالا کوئی نہ تھا البتہ امامؑ کی تلوار آپؑ کی محافظ تھی۔ جس سے آپ اپنا دفاع کرتے تھے لیکن اب آپؑ کے ہاتھ سے تلوار بھی گر چکی ہے۔ اب تمھارے علاوہ حسینؑ کا دفاع کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

اب امامؑ کے دفاع کا وقت ہے اور ان پر جانیں قربان کرنے کا وقت ہے۔

آپ حضرات چند بار نظریں اٹھائیں اور چند بار توجہ کریں۔ پہلی بار امامؑ کی طرف دیکھیں کہ وہ کہاں ہیں اور وہ کیا کر رہے ہیں؟

پھر ایک بار خیام کی طرف نگاہ کریں جہاں آپؑ آتے اور جاتے تھے۔

پھر ایک مرتبہ میدان کی طرف دیکھیں۔

آپ کی یہ نظریں لگاتار ہونی چاہئیں تاکہ یہ وقت وہ ہے جب معاملہ اپنی شدت کو پہنچ چکا ہے۔

اب پھر ان کی طرف دیکھیں!

اب مَیں نے جو نگاہ کی تو مَیں نے چشمِ تصور سے دیکھا کہ آپؑ گھوڑے پر سوار ہیں اور لشکر آپؑ کا گھیرا کیے ہوئے ہے اور وہ لشکر آپؑ کے بالکل قریب آ چکا ہے۔ پھر جو مَیں نے دیکھا تو منظر بدل چکا تھا۔ امامؑ گھوڑے کی پشت پر موجود نہ تھے۔ آپؑ گھوڑے سے اُتر چکے تھے اور میدان کے وسط میں کھڑے تھے۔ پھر مَیں نے تیسری بار دیکھا اور چاہا کہ انھیں کھڑا ہوا دیکھوں لیکن وہ مجھے اس حالت میں دکھائی نہیں دیئے بلکہ وہ میدان کے وسط میں بیٹھے دکھائی دیئے۔

عزادارو!

اب جو مَیں نے پھر دیکھنا چاہا تو میری آنکھوں کو کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ فضا میں تاریکی چھا چکی ہے۔ ہر طرف اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔ آہ...... ہائے افسوس۔

اب آپ نے چار بار پھر دیکھنا ہے اور چار اشیاء کو دیکھنا ہے۔ درست ہے کہ اندھیرا چھایا ہوا ہے لیکن اندھیرے کے باوجود یہ چاروں اشیاء دکھائی دیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نورانی اشیاء ہیں۔

دو نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائیں تو آپ دیکھیں گے کہ آسمان سے دو چیزیں زمین پر نازل ہو رہی ہیں اور پھر دو مرتبہ نگاہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ دو چیزیں زمین سے اٹھ کر آسمان کی طرف جا رہی ہیں۔

پہلی دو نگاہوں میں کیا نظر آیا؟

مَیں نے نگاہ کی تو مجھے ایک نور دکھائی دیا کہ وہ جبریل امین ہیں اور وہ کچھ کلام کرنا

چاہتے ہیں۔ جب مَیں نے دوسری بار نظر کی تو مجھے اس میں نور دکھائی دیا۔ مَیں نے دیکھا کہ رسولِ اکرمؐ آسمان سے زمین کی طرف آ رہے ہیں۔ انؐ کے سر اطہر اور ریش مبارک میں خاک ہے اور انؐ کی حالت متغیر ہے اور آپؐ کا عمامہ اُترا ہوا ہے۔

عزادارو!

اب سنیں کہ دو ارضی نظروں نے کیا منظر دیکھا۔ مَیں نے پہلی بار زمین کی طرف دیکھا تو یہ دکھائی دیا کہ ایک فرشتہ ہے جس کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے اور وہ اس شیشی کو آسمان کی طرف لے جا رہا ہے۔ پھر جب مَیں نے پوری توجہ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس شیشی میں حسینؑ کا خون ہے جسے وہ اٹھا کر آسمان کی طرف لے جا رہا ہے۔اس کے بعد مَیں نے دوسری نگاہ ڈالی تو اس میں مجھے ایک چیز دکھائی دی جو کہ بلندی کی طرف اُٹھ رہی ہے لیکن وہ اتنی زیادہ بلند نہیں ہوئی بلکہ وہ زمین سے صرف ایک نیزہ کی بلندی پر ہے۔ مَیں نے غور سے دیکھا تو نوکِ نیزہ پر ایک سر سوار ہے اور وہ حسین مظلومؑ کا سر ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

گیارہویں مجلس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عزادارانِ امامِؑ مظلوم!

معاملات کا فیصلہ ہو گیا۔

نہ تو ہماری نصرت ثمر آور ثابت ہوئی اور نہ ہی ہماری بیعت، اعانت، دفاع اور حفاظت کا کوئی فائدہ ہوا۔ معاملات کا فیصلہ ہو گیا۔

مَیں نے جو جملہ کہا ہے کہ ''معاملات کا فیصلہ ہو گیا'' تو کیا اس سے آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس جملہ سے مَیں نے یہ پیغام دیا ہے کہ مصیبت کا خاتمہ ہو گیا؟ ہرگز نہیں۔ میرا مقصود یہ نہیں ہے۔ مَیں نے جو کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ پہلی مصیبت آج سے شروع ہو رہی ہے۔ مثلاً آپ ملاحظہ فرمائیں کہ شبِ عاشور امامِ مظلومؑ خیمہ میں اکیلے بیٹھے تھے اور آپؑ نے یہ اشعار پڑھے:

يَادَهْرُ اُفٍّ لَّكَ مِنْ خَلِيْلِ
كَمْ لَكَ بِالْاِشْرَاقِ وَالْاَصِيْلِ
مِنْ صَاحِبٍ وَّطَالِبٍ قَتِيْلِ
وَالدَّهْرُ لَا يَقْنَعُ بِالْبَدِيْلِ
وَ اِنَّمَا الْاَمْرُ اِلَى الْجَلِيْلِ
وَكُلُّ حَيٍّ سَالِكٌ سَبِيْلِ

ان اشعار میں آپؑ نے زمانہ کا شکوہ کیا تھا اور لیل و نہار کی بے وفائی کا گلہ کیا

اوراس سے آپؑ نے اپنی شہادت کی طرف اشارہ کیا۔

جنابِ عالیہ مکرمہ زینب سَلامُ اللہِ علیہا نے اپنے بھائیؑ کی زبان سے یہ اشعار سنے تو ان پرغم وحزن طاری ہو گیا۔ آپؑ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکیں اور تیزی سے بھائی کے خیمہ میں آئیں اور کہا: بھائی جان! یہ کلام تو وہ کرتا ہے جسے اپنی موت کا یقین ہو چکا ہو۔

امامؑ نے فرمایا: جی ہاں! اے بہن!

مقصد یہ تھا کہ میرے قتل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

سیّدہؑ زینب الکبریٰؑ نے فرمایا: ہائے مصیبت! یعنی اب آپؑ کے پاس کوئی حیلہ اورطریقہ باقی نہیں رہا۔ یہ بات میرے دل کو زخم لگاتی ہے اور میرے لیے انتہائی سخت ہے۔

بی بیؑ کے سر سے چادر گر گئی اور آپؑ نے گریبان چاک کیا۔ اس وقت خیمہ میں امامؑ کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ شب عاشور کا واقعہ ہے۔

اب آپ تعجب کریں گے کہ مَیں نے گیارہ محرم کے دن شب عاشور کا واقعہ کیوں پڑھا؟

عزادارو!

اس سے مجھے یہ بتانا مقصود تھا کہ جنابِ سیّدہؑ نے جب شب عاشور بھائی کی زبان سے موت کی خبر سنی تو برداشت نہ کرسکیں اور بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ جس بہن کو بھائی سے اتنی محبت تھی کہ قتل کی خبر تک نہ سن سکتی تھی آج اس بی بیؑ کی کیا حالت ہوگی؟ آج بی بیؑ کا حسینؑ سا بھائی اور دوسرے بھائی اور عزیز و اقارب کہاں ہیں؟ آج اس بی بیؑ کے تمام بھائی مقتل میں پڑے ہوئے ہیں۔ جی ہاں! جہاں تک بی بیؑ کے بھائی کے سر کا تعلق ہے تو اس کے متعلق احتمال یہ ہے کہ وہ گیارہ محرم کی رات خولی لعین

کے گھر میں ہوگا۔

جی ہاں! آج سے پہلی مصیبت کا آغاز ہوتا ہے۔

ہماری بیعت، ہماری مدد، ہمارا تلبیہ اور ہماری نصرت فرزندِ زہراؑ کو بچا نہیں سکی البتہ! ہمیں ہماری نیت کا ثواب ضرور ملے گا بشرطیکہ وہ حقیقت پر مبنی ہو۔

اس دن کا واقعہ ہے کہ کوفہ سے پانچ انصار امامؑ کی مدد کا جذبہ لے کر کوفہ سے کربلا کی جانب روانہ ہوئے۔ اگرچہ وہ شہادت کے درجہ سے قاصر رہے لیکن انھوں نے شہادت کے حصول کی کوشش ضرور کی تھی۔ یہی رات تھی کہ وہ سفر کرتے رہے اور رات کا ایک حصّہ گزرنے کے بعد جب وہ کربلا سے چند فرسخ کے فاصلہ پر پہنچے تو وہاں ایک گھنا جنگل دکھائی دیا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ رات کا باقی حصّہ یہاں چھپ کر گزاریں اور صبح ہوتے ہی کربلا کی طرف چلے جائیں۔

ابھی وہ اس جنگل میں بیٹھے تھے کہ ان کے پاس دو افراد آئے۔ ایک بوڑھا اور دوسرا جوان تھا۔ دونوں کی حالت انتہائی پریشان کن تھی۔ مجاہدین نے ان سے ان کا حال پوچھا تو ان میں سے ایک نے یہ کہا کہ میرا تعلق قوم جنات سے ہے اور یہ میرا بھتیجا ہے۔ ہم مظلوم کی مدد کے لیے جا رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ بھی مظلوم کی نصرت کے لیے جا رہے ہو۔ اسی لیے ہم تمھارے پاس آ گئے ہیں۔

پھر اس جِنّ نے کہا کہ تم لوگ یہاں ٹھہرے رہو۔ میں پرواز کر کے کربلا جاتا ہوں اور تھوڑی دیر بعد تمھیں کربلا کے حالات سے آگاہ کروں گا۔ چنانچہ وہ کچھ دیر تک غائب رہا اور جب واپس آیا تو وہ یہ مرثیہ پڑھتا ہوا واپس آیا۔

وَاللهِ مَا جِئْتُكُمْ حَتّٰى بَصُرْتُ بِهٖ
بِالطَّفِّ مُنْعَفِرَ الْخَدَّيْنِ مَنْحُوْرَا
وَحَوْلَهٗ فِتْيَةٌ تُدْمِىْ نُحُوْرُهُمْ
مِثْلَ الْمَصَابِيْحِ يَمْلُؤُنَ الدُّجٰى نُوْرَا

”اب جو میں کربلا سے آیا تو مَیں نے دیکھا کہ حسینؑ شہید ہو چکے تھے۔ نورِ باطل کے اندھیروں میں چمک رہا تھا۔ اس کے گرد نورانی چہرے والے بھی جامِ شہادت نوش کر چکے تھے جن کے نورانی چہروں نے تاریکیوں کا خاتمہ کر دیا تھا“۔

جِنّ کی اس خبر سے سب کو معلوم ہو گیا کہ فرزندِ رسولؐ شہید ہو چکا ہے اور کوفہ سے جانے والے مجاہدین اپنے مقدر پر آنسو بہاتے ہوئے واپس گھروں کو چلے گئے۔

بہرنوع! کل ہم نصرت و اعانت کے لیے جمع ہوئے تھے۔ آج پھر ہمارے جمع ہونے کا کیا مقصد ہے؟

عزادارانِ امامِؑ مظلوم!

آج ہم ان مقدس لاشوں کی تجہیز و تکفین کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

لیکن رُک جایئے! آج کے دن ان پاکیزہ لاشوں کی تجہیز و تکفین نہیں ہوگی۔

آج یہ مقدس لاشے خاکِ کربلا پر ہی پڑے رہیں گے کیونکہ تجہیز کے مسائل اور کیفیات آج موجود نہیں ہیں۔

تجہیز کے لیے مرنے والے کے وارث کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر شہدائے کربلا کا وارث تو کربلا میں موجود ہی نہیں ہے۔ وہ تو زنجیروں میں قید ہو کر کوفہ جا رہا ہے۔ آج نہ تو شہداء کا وارث موجود ہے اور نہ ہی کفن اور کافور موجود ہے۔ البتہ یہ علیحدہ بات ہے کہ شہید اگر اپنے لباس میں ہو تو اسے کفن کی احتیاج نہیں ہوتی۔

تجہیز کل تک مؤخر کی جاتی ہے۔ اللہ نے چاہا تو ہم کل تجہیز کے آخری مراحل میں شرکت کریں گے۔

آج کے دن اور آنے والی رات تک شہداء کی تجہیز و تکفین نہیں ہوگی۔

کل رات یعنی شبِ عاشور امامؑ نے اپنے افرادِ خانہ کو اپنے سامنے حاضر کیا تھا

لیکن گیارہ محرم کی رات سیّدالشہداءؑ اور بی بی زینب عالیہ سلام اللہ علیہا کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟

فاصلہ انتہائی کم تھا لیکن ان شہداء پر نوحہ کرنے والا کوئی انسان موجود نہ تھا۔ البتہ روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نوحہ ضرور ہوا تھا لیکن بہنیں نوحہ نہ کرسکی تھیں۔ ان کے بجائے صحراؤں سے جنات کی خواتین نے آ کر شہداء کا نوحہ پڑھا تھا۔ یہ بات تو طے ہے کہ آج تجہیز نہیں ہوگی۔ امامؑ کے علاوہ ایک سو دو شہدا کی لاشیں صحرا میں بے گور و کفن پڑی رہیں گی۔ ان میں تیس لاشیں شہدائے اہل بیتؑ کی ہیں اور بہتّر (۷۲) لاشیں دوسرے شہدا کی ہیں۔ جب امام سجاد علیہ السلام کو آج قید کیا گیا تو اس وقت انؑ کی حالت اور تھی لیکن جب وہ مقتل میں پہنچے اور اپنے والد اور دوسرے شہداء کی لاشوں کو دیکھا تو انؑ کی حالت غیر ہوگئی۔ اس وقت انھیںؑ اپنی زندگی کی سب سے بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔

دیکھیے!

حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا خاتون ہیں جبکہ امام سجاد علیہ السلام مرد ہیں۔ اب آپ شریکۃ الحسینؑ کا استقلال دیکھیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ کربلا میں ہم پر مصائب آئے۔ وہاں میرے والدؑ اور ان کے بھائیؑ اور خاندان کے دیگر افراد شہید ہوئے۔ پھر ہمیں قید کرکے کوفہ کی طرف لے جایا گیا۔ مجھے مقتل میں لاشے دکھائی دیئے جنہیں کسی نے دفن نہیں کیا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے سخت دُکھ ہوا اور میری حالت متغیر ہوگئی۔ اس وقت میری پھوپھیؑ نے میری اس حالت کو دیکھا تو مجھے تسلی دے کر فرمایا:

''اے میرے خاندان کا بچ جانے والا سرمایہ! میں دیکھ رہی ہوں کہ آپؑ کی جان نکلنے والی ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟''

مَیں نے کہا: ''پھوپھی اماں! میں اپنے سردار، بھائیوں، چچاؤں اور ان کی اولاد کو ان کے خون میں لت پت دیکھ رہا ہوں تو اس منظر کو دیکھنے کے بعد میں صبر کیسے کروں جبکہ میرا خاندان صحرا میں پڑا ہوا ہے جنہیں کسی نے کفن نہیں دیا اور جنہیں کسی نے دفن نہیں کیا اور ان کی لاشیں بے وارث پڑی ہوئی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسا کہ ان کا تعلق دیلم وخزر سے ہو''۔

اس وقت میری پھوپھیؑ نے مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ اس منظر کو دیکھ کر آپؑ پریشان نہ ہوں۔ پھر میری پھوپھیؑ نے مجھے رسولِؐ خدا کی حدیث سنائی کہ اللہ نے کچھ لوگوں سے عہد لیا ہے کہ وہ ان اجسام کو دفن کریں گے اور سیّدالشہداءؑ کی قبر پر نشان بلند کریں گے۔ جس کے نشانات کبھی بھی ختم نہ ہوں گے۔

ماتم دارانِ حسینؑ!

جی ہاں! ان اجسام نے آج کربلا کے صحرا میں رہنا ہے۔ انھیں اعمال حج کی تکمیل کرنا ہے کیونکہ ابھی تک ان اعمال کی تکمیل نہیں ہوئی۔ یہ تین راتیں کربلا کی منیٰ میں بسر کریں گے۔ اللہ نے چاہا تو ان کی تجہیز کل ہو گی۔

آج کے دن میں کچھ شہداء پر سلام کرنا چاہتا ہوں اور ان سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں شہدائے اہل بیتؑ سے علیحدہ بات کروں گا اور اصحاب حسینؑ سے علیحدہ بات کروں گا۔

سب سے پہلے میں مظلوم کے ایک جلیل القدر صحابی پر سلام کرتا ہوں۔ وہ صحابی ''ابوثمامہ صائدی'' ہیں جب وہ گھوڑے سے گرے تھے تو سیّدالشہداء نے ان سے فرمایا تھا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا ثُمَامَة وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

میں ابوثمامہ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اے ابوثمامہ! یاد ہے ناں کہ جب چار محرم

کے دن امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ میں اکیلے بیٹھے تھے تو عمر بن سعد لعین نے اپنے لشکر کے سرداروں سے کہا تھا کہ مَیں نے حسینؑ کے نام ایک خط لکھا ہے۔ تم میں سے کون ایسا ہے جو میرے اس خط کو ان کے پاس جا کر پہنچائے لیکن کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ کیونکہ ہر شخص سوچ رہا تھا کہ مَیں نے تو امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا تھا اور اگر آج میں ان کے سامنے گیا تو امامؑ مجھے طعنہ دیں گے کہ تو نے تو کل مجھے خط لکھ کر آنے کی دعوت دی تھی اور آج میرے قتل کے درپے ہو چکا ہے تو پھر میں کیا جواب دوں گا۔

اس وقت ''کثیر بن عبداللہ شعبی'' نے کہا کہ میں یہ خط لے جاتا ہوں۔ یہ شخص انتہائی گستاخ اور منہ پھٹ تھا۔ چنانچہ اس نے ابن سعد کا خط لیا اور خیمہ حسینیؑ کی طرف آیا۔

اے ابوثمامہ! اس وقت تم خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہوکر دربانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ تم نے اس گستاخ سے کہا تھا کہ اگر تمہیں میرے مولاؑ سے ملنا ہے تو پھر تلوار میرے سپرد کر دے اور پھر جا کر انؑ سے ملاقات کر۔

آنے والے بدبخت نے کہا تھا کہ میں تلوار اپنے سے دُور نہیں کروں گا۔

اس وقت آپ نے اس سے کہا تھا کہ تمھاری تلوار تمھارے پاس رہے لیکن میں تیرے ساتھ اندر جاؤں گا اور جب تک تو میرے آقاؑ سے کلام کرتا رہے گا میں تیری تلوار پر ہاتھ رکھ کر کھڑا رہوں گا لیکن اس نے یہ بات نہیں مانی تھی۔ آپ نے اسے امامؑ سے ملاقات کی اجازت نہیں دی تھی اور وہ واپس چلا گیا تھا۔

اے ابوثمامہ! مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ چار محرم کے دن تو آپ نیام میں پڑی ہوئی تلوار بھی برداشت نہیں کر سکے تھے لیکن اس وقت آپ کہاں تھے جب سنان ابن انس (ملعون) امامؑ کے سر کے پاس تلوار، نیزہ اور تیر کمان کے ساتھ کھڑا تھا اور اس نے تینوں ہتھیار استعمال کیے تھے؟

اب میں ''حر شہید'' پر سلام کرتا ہوں اور ان سے یہ کہتا ہوں کہ

اے حُر! آپ نے صبحِ عاشور امامؑ کا استغاثہ سنا تو آپ نے اپنے چچا سے کہا تھا کہ حسینؑ کے استغاثہ کو سنو اور جواب دو۔ چنانچہ! آپ نے توبہ کی اور حسینؑ مظلوم کے ناصر بن گئے۔

آپ نے پہلا استغاثہ سنا تھا تو بے چین ہو گئے تھے نہ جانے آپ اگر مظلومؑ کا وہ استغاثہ سنتے جو انھوں نے وسط میدان میں بلند کیا تھا تو آپ کی کیا حالت ہوتی؟

اے سعید بن عبداللہ! میں آپ پر سلام کرتا ہوں۔ جب آپ نے لشکر اعدا کو قریب ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ نے کہا تھا:

فرزند رسولؐ! دشمن آپ کے قریب ہو رہے ہیں۔ میں انھیں آپؑ کے قریب ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ آپؑ مجھے اجازت دیں تا کہ میں آپؑ کے سامنے شہادت کا رُتبہ حاصل کروں۔

میں کہتا ہوں: اے سعید! آپ دشمن کو قریب ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے بتائیں! اگر آپ شامِ غریباں میں دیکھتے جب لشکر خیام میں داخل ہو گیا تھا تو اس وقت آپ کی کیا حالت ہوتی؟

عزادارو!

اب مجھے شہدائے اہلِ بیتؑ سے کچھ عرض کرنا ہے۔

سب سے پہلے میں اس شہید سے گفتگو کرتا ہوں جس کی مصیبت سن کر دل پھٹنے کو آجاتے ہیں۔ اس سے میری مراد حضرت قاسم بن حسن علیہم السلام ہیں۔

آپؑ نے میدانِ جنگ میں یہ کہا تھا:

هٰذَا حُسَيْنٌ كَالْاَسِيْرِ الْمُرْتَهَنِ

''فرزند رسولؐ حسینؑ تمھارے ہاتھوں قیدی کے مانند بن چکا ہے''۔

میں عرض کرتا ہوں: حضرت قاسمؑ! آپ نے اپنے چچاؑ کی مجبوری دیکھی تھی تو

قیدی سے ان کی تشبیہ دی تھی۔ کاش! آپؑ دیکھتے کہ آپؑ کا چچاؑ نوک نیزہ کا اُسیر ہو چکا ہے۔ یزید لعین کے محل اور ابن زیاد (ملعون) کے دارالامارہ کا اُسیر ہو چکا ہے۔

میرے زخمی دل کا سلام ہو علی اکبرؑ پر۔

مولا! یاد ہے ناں کہ آپؑ نے رجز میں یہ کہا تھا:

واللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

''خدا کی قسم مشکوک النسب شخص کا بیٹا ہمارے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا''۔

اب میں کہتا ہوں ''اے غیور شاہزادے! آپؑ مجلس ابن زیاد میں کہاں تھے جب وہ لعین فیصلے صادر کر رہا تھا۔ آپؑ کے والد ماجدؑ کا کٹا ہوا سر لعین کے سامنے رکھا ہوا تھا اور ایک بار ایسا موقع بھی آیا جب اس نے آپؑ کے بھائی سجادؑ اور آپؑ کی پھوپھی زینبؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

حسینی وفا شعاروں کے نام اِلتماس

اب مجھے شہدائے کربلاؑ کے حضور کچھ معروضات پیش کرنا ہیں۔ سب سے پہلے میں انؑ پر سلام کہتا ہوں:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَاۤ اَنْصَارَ اللّٰهِ وَاَنْصَارَ رَسُوْلِهٖ وَاَنْصَارَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ

''اے خدا، رسولؐ خدا اور امیر المومنینؑ کے مددگارو!

اے شہدائے کرام! امام حسین علیہ السلام نے آپ کو چند چیزوں سے بچایا تھا۔ آپ سب یعنی ہر ایک کے آخری لمحات میں امامؑ تمھارے پاس حاضر ہوئے تھے اور امامؑ کی آمد کا یہ مقصد تھا کہ تمہیں اس سے زیادہ زخم نہ لگیں۔

حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حالتِ احتضار میں مرنے والے کے بدن پر

اپنا ہاتھ نہ رکھو مرنے والے کو ہاتھ لگانے سے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنا کہ تلوار کا زخم لگنے سے ہوتی ہے لیکن یہاں تو کوئی سالم جگہ باقی بھی نہ تھی کہ اس پر تلوار کا وار کیا جاتا۔

امام حسین علیہ السلام نے تمھارے سروں کے کٹنے سے تمہیں بچایا۔

امامؑ نے تمھارا لباس لٹنے تمہیں سے بچایا۔

امامؑ نے تمھاری لاشوں کو پامال ہونے سے بچایا۔

امامؑ نے تمھارے اجسام کو صحرا میں ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچایا۔

اے راہ حق کے شہیدو!

امامؑ نے تمہیں اتنے مصائب سے بچایا اور بعض کو آخری لمحات تک امامؑ کی تائید وحمایت حاصل رہی ۔ جب تمھارا آخری وقت آتا تو آپ کسی کو اجازت نہ دیتے کہ وہ کسی کو اذیت دے۔

جب تک امامؑ بقید حیات رہے تو تم میں سے کسی کا سر بھی تن سے جدا نہیں کیا گیا۔ امامؑ کی شہادت کے بعد شہداء کے سر کاٹے گئے۔ یہ سر یا تو عصر عاشورا کے وقت کاٹے گئے تھے یا آج کی صبح کو کاٹے گئے تھے۔

عزادارو!

امامؑ نے شہداء کے اجسام کو ایک جگہ جمع کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی اور شہداء کی لاشوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھا۔

کل روزِ عاشورا شہدا کی لاشوں کا بلند ٹیلہ سا بنا ہوا تھا۔ امامؑ چاہتے تھے کہ ان کے سر نہ کاٹے جائیں اور انھیں پامال نہ کیا جائے۔

پھر کل عصرِ عاشورا یا آج کے دن کی صبح کو ایک سو یا اس سے کچھ زیادہ افراد آئے۔ سب کے ہاتھوں میں چھریاں تھیں اور وہ مقتل میں داخل ہوئے۔

ہر مصیبت دردناک ہے میں سمجھتا ہوں کہ ایک مصیبت تمام مصائب سے زیادہ سخت ہے۔کیا شہداء کے سروں کا کاٹا جانا مصیبت نہیں ہے؟

لیکن! ایک مصیبت ایسی بھی ہے جو کہ سب سے زیادہ المناک ہے اور وہ یہ ہے کہ جب شہدا کے سر کاٹ لیے گئے تو تمام سر ایک جگہ پر رکھے گئے اور سروں کو تقسیم کیا گیا اور پھر انھیں نوکِ نیزہ پر سوار کیا گیا۔

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ○

بارھویں مجلس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

برادرِ ایمانی!

احادیث معتبرہ میں بیان ہوا ہے جس کی نص یا اس کا معنیٰ یہ ہے:

مَنْ غَسَلَ مُؤْمِنًا غَسَلَهُ اللهُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ

''جو کسی (مردہ) مومن کو غسل دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دھو ڈالے گا اور وہ یوں پاک ہو جائے گا جیسا کہ وہ اپنی والدہ کے شکم سے نکلا ہو''۔

گلشنِ رسالتؐ کے بے گور و کفن پھول

عصرِ حاضر یعنی ہمارے دور میں یہ معنیٰ و مطلب باقی نہیں رہا کیونکہ آج کل غسلِ میت کی اُجرت لی جاتی ہے اور ہمیں یہ معلوم بھی نہیں ہے کہ آیا غسل دینے والا ''قصدِ قربت'' بھی رکھتا ہے یا نہیں؟

جبکہ اس سے قبل یہ رواج نہ تھا بلکہ مرنے والے کے دوستوں میں سے کوئی دوست اسے غسل دیتا تھا۔ ہم دعا میں یہ الفاظ کہتے ہیں:

ویغسلنی صالح المومنین

''خدایا! مجھے نیک مومن غسل دیں''۔

بہرنوع! مجھے معلوم نہیں ہے اور شاید ہمارے دور کے بہت سے مردے غسل میت کے بغیر دفن ہو رہے ہیں کیونکہ گمان قوی یہ ہے کہ غسل دینے والا قصد قربت سے

غسل نہیں دیتا اور یہ مسئلہ اپنے مقام پر مسلم ہے کہ اُجرت لے کر جو غسل دیا جائے، وہ باطل ہے۔کفن پہنانے کا اتنا ثواب ہے کہ جس نے کسی کو کفن پہنایا تو گویا اس نے اس مومن کو روز آخرت تک لباس پہنایا اور جس نے اپنے مومن بھائی کی قصد قربت سے قبر کھودی تو خدا اس شخص پر دوزخ حرام کر دیتا ہے اور اسے جنت کے گھر میں ٹھکانہ دیتا ہے۔

اور جو کسی مومن کے جنازہ کی مشایعت کرے تو جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس وقت مرنے والے کو یہ صدا سنائی دیتی ہے کہ جس نے بھی تیرے جنازہ کی مشایعت کی ہے اس کے لیے پہلا انعام جنت ہے۔

اور جو مرنے والے کی چارپائی کا پایہ پکڑے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچیس گناہان کبیرہ معاف کرتا ہے اور اگر کوئی چاروں اطراف سے پکڑے تو وہ گناہوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اور جو قبر پر مٹی ڈالے تو ہر ذرہ کے عوض اسے ایک نیکی دی جاتی ہے۔

اور جو کوئی کسی موفی کے یتیم کو تسلی دے تو خدا اس کی روح پر درود بھیجتا ہے۔

اور جو اہل قبور کی زیارت کرے اور آیت الکرسی پڑھ کر اس کا ثواب ارواح قبرستان کو ہدیہ کرے۔

ثواب کی تفصیل کے لیے مصادر و منابع کا مطالعہ کریں۔

الوسائل جلد 881/2 میں اس مفہوم کی بہت سی احادیث پائی جاتی ہیں۔اس میں ایک حدیث حسب ذیل ہے۔

مولا امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''جو اپنے مومن بھائی کی قبر کی زیارت کرے اور اپنا ہاتھ اس کی قبر پر رکھ کر سورۃ انا نزلنا سات مرتبہ پڑھ تو وہ آخرت کی بڑی

گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا“۔

سامعین گرامیِ قدر!

یہ تمام ثواب اسی صورت میں ہے جب مرنے والا مسلمان ہو۔

اور اگر مرنے والا مومن کامل ہو تو اجر میں اور بھی اضافہ کیا جاتا ہے۔

اور اگر مرنے والا عالم دین ہو تو اجر میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے۔

اور اگر مرنے والا مسافر ہو تو اجر میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

اور اگر مرنے والا مہتوک الحرمت ہو تو ثواب میں کئی گنا اضافہ کیا جاتا ہے۔

اور اگر مرنے والا شہید ہو تو اس کا اجر کہیں زیادہ ہے۔

اور اگر مرنے والا شہید ہونے کے ساتھ ساتھ امام المتقینؑ اور سیّدالشہداءؑ ہو تو پھر اس کی تجہیز وتکفین کے ثواب کو بیان کرنا ناممکن ہے۔

یہ عظیم مرنے والا تین دنوں تک صحراء میں بے گوروکفن پڑا رہا۔

آج شہداء کی شہادت کو تین دن ہو چکے ہیں اور ایک سو دو لاشیں محتاجِ دفن ہیں۔

ان میں ایک حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی لاش ہے۔ ایک شبیہ رسولؐ علیؑ بن الحسینؑ کی لاش ہے اور ان میں ایک لاش قمرِ بنی ہاشم عباسؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی ہے۔

عزادارو!

آج کے دن شہداء کے وارث کو آنا چاہیے اور وہ ضرور آئے گا۔

اصول ہے کہ میت پر ندا دی جاتی ہے لیکن ان شہداء کے جنازہ کی ندا دینے والا کوئی نہیں ہے۔ جب مظلومہ بہنؑ کا لاشوں سے گزر ہوا تو کسی نے بھی شہداء کی تجہیز وتکفین کی ندا نہ دی تو بی بیؑ نے بڑی حسرت سے فرمایا:

وَيلَكُمۡ اَمَا فِيكُمۡ مُسلِمۡ

”کیا تمھارے اندر کوئی بھی مسلمان نہیں ہے؟“۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہم عالم معنٰی وحقیقت میں اس مکرمہ عالیہؑ کی نیابت میں ندا دیں۔

بنتِ حیدرؑ کی نیابت میں ہم یہ اعلان کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے ہم ابوذر کی بیٹی کے کلمات کو دہرائیں گے۔

حضرت ابوذر کی صحرائے ربذہ میں شہادت ہوئی تو اس صحرا میں آپ کے ساتھ آپ کی ایک بیٹی بھی تھی۔ صحرا میں باپ اور بیٹی کہیں اِدھر بھٹکتے تھے اور کبھی اُدھر بھٹکتے تھے۔ باپ اور بیٹی صحرا میں گھاس تلاش کرتے تھے، جسے کھا کر وہ اپنی بھوک مٹا سکیں۔ حضرت ابوذر بیمار ہوئے۔ ان پر موت کے آثار نمایاں ہوئے۔ ریت کا تکیہ بنایا گیا۔ غریب بیٹی نے کہا! ''ابا جان آپ کا آخری وقت آ گیا ہے، مَیں آپ کی تجہیز وتکفین کیسے کروں گی؟''

حضرت ابوذر نے فرمایا: مجھے میرے حبیبؐ رسول اللہ نے خبر دی تھی کہ تیرے مرنے کے بعد عراق کی طرف سے ایک قافلہ آئے گا اور وہ تیری تجہیز وتکفین کریں گے۔

میرے مرنے کے بعد راستے پر بیٹھ جانا اور جو قافلہ آئے انھیں میری موت کی خبر دینا۔

جنابِ ابوذر قبلہ رخ ہو کر زمین کے فرش پر لیٹ گئے اور اسی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ بیٹی نے باپ کے منہ کو چادر سے ڈھانپا اور لاش چھوڑ کر راستے پر جا کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک قافلہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس میں ابن مسعود اور مالک اشتر بھی موجود تھے۔ ان کے علاوہ کچھ اور صحابی بھی تھے۔

اسی وقت ابوذرؓ کی بیٹی نے آواز دی:

''اے مسلمان بندگانِ خدا! یہ رسولِ اللہ کا صحابی ابوذرؓ ہے جو

اس مسافرت کے عالم میں مر گیا ہے اور میں اکیلی ہوں۔ میری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ میرے والد کی چند لمحات پہلے وفات ہوئی ہے''۔

اہل قافلہ نے اس ندا کو سنا تو سب اپنی سواریوں سے اُتر پڑے اور ابوذرؓ کی لاش کے پاس آئے۔ ابوذرؓ کے کفن کے متعلق ان میں اختلاف پیدا ہوا۔ ان میں سے ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ انھیں میرا کفن دیا جائے۔

لوگو! آج کے دن میں بھی ابوذرؓ کی بیٹی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے یہ ندا دیتا ہوں:

''اے مسلمان بندگانِ خدا! یہ حسینؑ بن علیؑ ہیں۔ یہ علیؑ بن الحسینؑ ہیں۔ یہ عباسؑ بن علیؑ ہیں۔ انھوں نے اس صحرا میں وفات پائی ہے، آؤ انھیں غسل و کفن دو''۔

بی بیؑ کی طرف سے یہ ندا میں اس لیے دے رہا ہوں کہ سیّدہؑ آج بہت مصروف ہیں اس لیے کہ انؑ پر بہت بڑی مصیبت آئی ہے جس کی وجہ سے وہ لوگوں کو آواز نہیں دے سکتیں۔ آج کا دن انؑ کے لیے عظیم مصیبت کا دن ہے۔ وہ اس وقت یا کسی دوسری ساعت میں ابن زیاد کی مجلس میں پیش ہوں گی۔

یہ اتنی بڑی مصیبت تھی جس نے بی بیؑ کو شہداء کے اجسام کی تکفین فراموش کرا دی ہے جبکہ بی بیؑ کا خاندان صحرا میں کفن دفن کے بغیر پڑا ہوا ہے۔

سامعین!

خدارا فیصلہ کریں کہ ان دو میں سے بڑی مصیبت کون سی ہے۔ شہداء کے اجسام کا بے گور و کفن ہونا یا امامؑ کے سر کا ابن زیاد لعین کے دربار میں لایا جانا۔

شہزادی عالیہ مکرمہ سلام اللہ علیہا اس وقت مصیبت میں مبتلا ہیں، شاید ابھی وہ ابن زیاد کے دربار کے راستے میں ہوں گی۔

ایک اور مصیبت کہ ملاعین ابن زیاد کے پاس جا کر انعامات کا مطالبہ کر رہے تھے اور مقتول کی بہنیں اور بیٹیاں دیکھ رہی تھیں۔ قاتل نے یہ کہہ کر انعام طلب کیا:

املاء رکابی فضة وذھبا

انی قتلت السید المجبا

قتلت خیر الناس اما وابا

''میری خورجین کو سونے چاندی سے بھر دے کیونکہ مَیں نے ایک عظیم سردار کو قتل کیا ہے جو کہ ماں باپ کے اعتبار سے تمام لوگوں سے بہتر تھا''۔

یہ ایک اور مصیبت ہے۔

مذکورہ مصائب سے بدتر مصیبت یہ ہے کہ امامؑ کے سر کو ایک طشت میں ابن زیاد کے سامنے لایا گیا اور وہ حرامزادہ آپؑ کے سر کو دیکھ کر ہنسنے لگا

جی ہاں! یہ سب کچھ واقع ہو چکا ہے، جسے مَیں نے بطورِ اشارہ بیان کیا ہے کیونکہ ان واقعات کا تعلق آج کے دن سے ہے، ورنہ ہمیں کچھ اور کام بھی سرانجام دینا ہے۔ ہمیں کربلا کی سرزمین پر جانا ہے۔ ہم شہداء کی تجہیز کے لیے جمع ہو چکے ہیں۔

یہ مت کہیں کہ شہداء کو تین دن ہو گئے لیکن ان کی تجہیز نہیں ہوئی۔

سنیئے! ان کی تجہیز کچھ اس انداز سے ہوئی ہے کہ جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔

کربلا کے واقعہ کو اس وقت 1237 برس گزر چکے ہیں لیکن اس کے باوجود لوگ آج تک سیّدالشھداء کی تجہیز میں مصروف ہیں۔ کیا کسی نبی یا وصی کی ایسی تجہیز ہوئی ہے؟ [۱]

---

[۱] اس تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ نے یہ خطاب بارہ محرم 1298ھ میں اپنی وفات سے پانچ برس قبل کیا تھا۔

شہدائے کربلاؑ نے اپنا سب کچھ راہِ خدا میں نثار کیا تھا۔ اب دیکھیں کہ اللہ نے انھیں کیسا بدلہ دیا ہے؟

شہدائے کربلاؑ کی کئی طرح سے تجہیز ہوئی۔

یعنی الٰہی تجہیز، نبویؐ تجہیز اور حسینیؑ تجہیز۔

مقصد یہ ہے کہ حسینؑ نے خود اپنی تجہیز کی تھی اور اہل بیتؑ کی تجہیز کی تھی۔ پھر تمام مخلوقات کی طرف سے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مرکب تجہیز ہوئی۔ یہ تمام طرح کی تجہیزات واقع ہوئی تھیں۔

تجہیز الٰہی:

رب العالمین نے اس بدن کو ایسے نور کا کفن دیا جو امامؑ کے وجود کے لیے ستر کا ذریعہ بنا۔ اگر آپؑ عریان بھی تھے تو بھی نور الٰہی نے آپؑ کے لیے ستر کا سامان پیدا کیا تھا۔

بنی اسد کے ایک شخص کا بیان ہے: مَیں نے شہداء کی لاشوں میں ایسی لاش دیکھی جو سورج کی طرح سے چمک رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سر اطہرؑ کو نور بخشا تھا۔

چنانچہ! ''مسلوب السعادت'' زید بن ارقم کا بیان ہے: میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ابن زیاد کے فوجی حسینؑ کے سر کو نوک نیزہ پر سوار کر کے لے جا رہے تھے۔ جب وہ میرے گھر کے پاس سے گزرے تو مَیں نے دیکھا کہ میرے روشن دان سے نور داخل ہوا، وہ نُورِ حسینؑ بن علیؑ کے سر کا تھا۔

اللہ رب العالمین نے آپؑ پر صلوات الٰہی بھیجی اور اس کا اظہار آپ کے ان کلمات سے ہوتا ہے جسے آپ صبح و شام ادا کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں:

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ

خدا کی طرف سے صلوات صرف امامؑ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ امام مظلومؑ

کے غم میں رونے والوں پر بھی خدا صلوات بھیجتا ہے۔

اَلَا ... وَصَلَّی اللہُ عَلَی الْبَاکِیْنَ عَلَی الْحُسَیْنِ

''حسینؑ پر رونے والوں پر خدا کی صلوات ہو''۔

امام حسین علیہ السلام کی روح اللہ تعالیٰ نے خود قبض کی تھی اور باقی شہداء کی ارواح کو ملائکہ نے قبضہ کیا تھا۔

تجہیز نبویؐ:

نبی اکرمؐ معنوی طور پر کربلا میں موجود تھے اور آپؐ نے اپنے نُورِ نظر کی تجہیز میں حصّہ لیا تھا۔ تجہیز میں قبر کھودنے کا عمل شامل ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی قبر خود نبی اکرمؐ نے کھودی تھی۔

آج کے دن بنی اسد کے افراد شہداء کی تدفین کے لیے آئے اور امام سجاد علیہ السلام بھی آئے۔ بنی اسد نے تھوڑی سی قبر کھودی تھی کہ انھیں کھدی کھدائی قبر ملی۔ یہ قبر نبی اکرمؐ نے خود کھودی تھی۔ آپؐ نے خواب میں ام سلمہؓ سے فرمایا:

کنت احضر قبر اللحسین

''میں حسینؑ کے لیے قبر کھودتا رہا''۔

تجہیز نبویؐ کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ روزِ عاشور رسولِ خدا کو مَیں نے دیکھا کہ انؐ کے ہاتھ میں خون سے بھری ہوئی شیشی تھی اور اس میں خون تھا۔ میرے پوچھنے پر آپؐ نے فرمایا:

''میں ان کا خون جمع کرتا رہا ہوں''۔

ملائکہ کی تجہیز!

اب دیکھتے ہیں کہ ملائکہ نے سیّدالشہداءؑ کی تجہیز کے لیے کیا کیا تھا؟

ملائکہ آپؑ کے جسم نازنین کو شہادت کے بعد آسمان پر اٹھا کر وہاں لے گئے جہاں حضرت علی علیہ السلام کی پانچویں آسمان پر صورت تھی۔ بعدازاں اسے فوراً زمین پر لے آئے تھے۔

اس عمل میں کیا حکمت پوشیدہ ہے تو میں اس حکمت سے لاعلم ہوں البتہ! اتنا ضرور کہتا ہوں کہ اس طرح سے انھوں نے آپؑ کی تجہیز میں شرکت کی تھی۔

حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ عالم معنیٰ میں ملائکہ ''تسنیم'' کے چشمہ کا پانی لائے تھے اور اس سے انھوں نے شہداء کو غسل دیا اور پھر کفن دیا تھا۔

امامؑ کا اپنی تجہیز کا خود اہتمام کرنا

حضرت سیّدالشہداؑ نے اپنی تجہیز کا جو خود اہتمام کیا تھا وہ یہ تھا کہ آپؑ نے اپنی قبر خود بنائی تھی اور اپنے لیے کفن تیار کیا تھا۔

جب آپؑ مکہ سے کربلا کی طرف روانہ ہوئے تو آپؑ نے اس وقت فرمایا:

''میں اپنی قبر کی طرف جا رہا ہوں''۔

جہاں تک کفن کا مسئلہ ہے تو آپؑ نے اپنے آپؑ کو خود کفن پہنایا تھا لیکن ظالموں نے وہ اتار لیا تھا۔

امامؑ جب آخری بار خیام میں الوداع کرنے آئے تو آپؑ نے اپنی بہن سے فرمایا تھا:

اُخْتَاهُ اِئْتِيْنِيْ بِثَوْبٍ عَتِيْقٍ

''بہن! میرے پاس پرانا لباس لاؤ''۔

عزادارو!

مقصد یہ تھا کہ وہ میرا کفن بن جائے۔ آپؑ چاہتے تھے کہ لباس پرانا ہو جس کی طرف کوئی راغب نہ ہو۔

پھر امامؑ نے اس پرانے لباس کو جگہ جگہ سے پھاڑ کر کفن بنا کر اسے پہنا تھا۔

جہاں تک غسل کا تعلق ہے تو آپؑ نے اپنے آپؑ کو غسل دیا تھا لیکن یہ غسل بیری کے پتوں اور کافور سے نہیں دیا تھا بلکہ آپؑ نے اپنے آپؑ کو دو بار خون سے غسل دیا تھا اور فرمایا تھا کہ میں اسی خون سے غسل کر رہا ہوں۔

ایک غسل اس خون سے ہوا تھا جو آپؑ کے قلب مطہر سے جاری ہوا تھا۔ آپؑ نے اس خون کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اس سے اپنے سر، چہرے اور ریش مبارک کو خضاب کیا اور یہ الفاظ کہے:

''میں خون کا خضاب کر کے اللہ کے حضور پیش ہوں گا''۔

اگر کوئی شخص یہ کہنے کی جسارت کرے کہ حضرتؑ کے خون کا بھی وہی حکم ہے جو دوسرے کسی خون کا ہوتا ہے۔

میں اس نظریہ کی نفی کرتا ہوں۔ خونِ حسینؑ دوسرے عام خون کے مانند نہیں ہے۔ بھلا جس خون کو فرشتہ زمرد کی شیشی میں محفوظ کر کے آسمان کی طرف لے جائے تو کیا وہ عام خون کی طرح سے ہوسکتا ہے؟

اشھد ان دمك قد سکن فی الخلد

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ کا خون خلد میں رکھا گیا ہے''۔

شہداء کے خون کے متعلق نبی اکرمؐ نے یہ فرمایا:

زملوھم بدمائھم فالون لون الدم والریح ریح المسك

''شہداء کو ان کے خون کی چادر چڑھاؤ بہترین رنگ خون کا ہوتا ہے اور بہترین خوشبو کستوری کی خوشبو ہے''۔

جی ہاں! سیّد الشھداءؑ نے اپنی تجہیز کا یہ سامان کیا تھا۔

اہل بیتؑ نے آپؑ کی تجہیز کیسے کی تھی؟

اہلِ بیتؑ کی تجہیز

اہل بیتؑ طاہرین کی مخدراتِ عصمتؑ نے اپنے آپ کو حضرت پر گرا کر ان کے بدن کو کفن پہنایا تھا۔

آپؑ کے جسمِ اطہر پر آنسو بہا کر سیّدالشہداء کو انھوں نے غسل دیا تھا۔

مخدراتِ عصمتؑ نے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک آپؑ کی نعش کی مشایعت کی تھی۔

دوسری مخلوقات کی تجہیز

دوسری مخلوقات نے بھی آپؑ کی تجہیز میں حصّہ لیا تھا۔ صحرا کے وحشی جانوروں اور پرندوں نے آپؑ کی تجہیز میں حصّہ لیا تھا۔

ہوا نے جسم نازنین پر ریت اور غبار ڈال کر آپؑ کی تجہیز میں شرکت کی تھی۔

بنی اسد کی تجہیز

بنی اسد نے آپؑ کی تجہیز کی تھی، چنانچہ اس دن وہ لوگ مقتل میں آئے اور یہ لوگ کربلا سے کچھ فاصلہ پر رہائش پذیر تھے۔ یہ لوگ اپنی مزروعہ زمینوں میں رہتے تھے اور ان لوگوں کو غیرت نے مجبور کیا۔ کچھ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو ان کی خواتین نے یہ کہہ کر غیرت دلائی تھی کہ اگر تم لوگ ابن زیاد (لعین) سے ڈرتے ہو تو پھر گھر بیٹھے رہو، ہم جا کر شہداء کو دفن کرتی ہیں۔

الغرض! وہ لوگ آئے اور ان کی راستے پر نظر تھی کہ کہیں ابن زیاد (لعین) کا کوئی جاسوس انھیں دیکھ نہ لے۔

ابھی یہ جمع ہوئے تھے کہ کوفہ سے ایک سوار آیا...... [1]

---

[1] یہ سوار امام سجاد علیہ السلام تھے۔ آپؑ شہداء کی تدفین کے لیے باعجاز امامت کربلا تشریف لائے تھے۔

مزید تفصیل کے لیے مصادر کی طرف رجوع فرمائیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

تیرہویں مجلس

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عاشقانِ آلِ رسولؐ!

مَیں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہمارے دلوں کو ان دلوں جیسا نہ بنائے جن کے متعلق اس نے یہ فرمایا ہے:

ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالۡحِجَارَةِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَةً ؕ (البقرہ: ۷۴)

''پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے وہ پتھروں کے مانند بن گئے یا ان سے بھی زیادہ سخت ہو گئے''۔

اللہ تعالیٰ سے میں یہ اُمید کرتا ہوں کہ وہ ہمارے دلوں کو ایسے دلوں میں شامل نہ فرمائے کہ جن کے متعلق اس نے خود فرمایا ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ (البقرہ: ۷)

''اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے''

یعنی! ان کے گناہوں کی وجہ سے اللہ نے ان پر مہریں لگا دی ہیں اور کانوں اور آنکھوں پر پردے آ گئے ہیں۔

اگر خدانخواستہ ہم اتنے بے توفیق ہو گئے تو پھر ہمارے لیے ہدایت کا حصول ناممکن ہو جائے گا۔

خدا کرے کہ ہمارے دل ایسے بے توفیق نہ ہوں۔

اور میں یہ اُمید رکھتا ہوں کہ اب تک آپ نے جو مواعظ سماعت فرمائے ہیں آپ ان سے ضرور متاثر ہوئے ہوں گے۔

برادرانِ ایمانی!

یہاں کے مواعظ سے متاثر ہونا سیکھو اور اپنی زندگی کو شریعت اسلام کے سانچے میں ڈھال لو۔ ورنہ یاد رکھیں! آپ کے پاس بہت بڑا واعظ آنے والا ہے۔ جب وہ واعظ آیا تو آپ خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں گے لیکن اس وقت کی بیداری فائدہ مند نہ ہوگی لہٰذا اس واعظ کی آمد سے قبل اپنی اصلاح کر لیں تا کہ ہمیں اس کا فائدہ حاصل ہو سکے۔

جب وہ واعظ آیا تو وہ آپ سے ہر چیز چھین لے گا جب کہ اس وقت آپ یہاں تشریف فرما ہیں اور آپ کے پاس سب کچھ موجود ہے۔

آپ حضرات سے میری یہی التجا ہے کہ آپ حق کے مواعظ کو کان کھول کر سنیں اور مجلس سے نکل کر ان باتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔

جی ہاں! اس وقت آپ کے پاس اختیار ہے لیکن جب وہ عظیم واعظ آیا تو آپ کے اختیارات سلب کر لے گا۔ آپ حرکت نہ کر سکیں گے اور اور نہ ہی دل میں مذاق اڑا سکیں گے۔

چند نصیحت آموز اور کامیابی کی باتیں

تو آیئے وعظ و نصیحت کی باتیں سنیئے۔

ہمارے پاس کیا دلیل ہے کہ ہمارے کانوں اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے نہیں ہیں؟

آپ یہاں موجود ہیں بعض اوقات آپ کو اپنی حالت میں کچھ تبدیلی سی محسوس ہوتی ہوگی۔

کچھ افراد یہ چاہتے ہیں کہ واعظ کو چاہیے کہ وہ چند نصیحت آموز کہانیاں بیان کرے۔ کچھ افراد یہ چاہتے ہیں کہ واعظ وہ ہے جو مشکل آیات کی تفسیر بیان کرے اور فلسفہ کے موضوعات پر خطاب کرے۔

یاد رکھیں!

بنیادی طور پر واعظ خود خدا ہے لہٰذا اسے معمولی چیز نہ سمجھیں۔

اللہ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ (سورۂ نساء: آیت ۵۸)

''خدا تمہیں اس کا کیا اچھا وعظ و نصیحت کرتا ہے''۔

وعظ پیغمبرؐ اسلام اور امیر المومنینؑ کے فرائض میں شامل ہے۔

دونوں بزرگوں نے وعظ و نصیحت کا حق ادا کیا تھا۔

موعظہ کیا ہے؟

موعظہ خلق کو خالق کی طرف متوجہ کرنے کا نام ہے۔ اگر آپ عاصی اور نافرمان ہیں تو موعظہ سے مطیع اور فرمانبردار بن جائیں اور اگر آپ پہلے سے ہی مطیع ہیں تو موعظہ کی وجہ سے آپ کی اطاعت میں اضافہ ہو جائے۔

اطاعت پروردگار سے محروم افراد یہ کہتے ہیں کہ ہم بالکل ٹھیک طرح کے لوگ ہیں ہمیں کسی طرح کی وعظ و نصیحت کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ طرز فکر ہر لحاظ سے غلط ہے۔ موعظہ سے ''طالح'' انسان ''صالح'' انسان میں بدل جاتا ہے یا اگر کوئی صالح نہ بھی بن سکے تو کم از کم زیادہ برائیوں کے ارتکاب سے دور ہو جائے۔

سامعینِ محترم!

جب کوئی شخص معصیت پر جرأت کرتا ہے تو وہ ایک معصیت پر نہیں رُکتا وہ

تدریجی طور پر معصیت میں اضافہ کرتا رہتا ہے اور آخر میں گناہانِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے لگ جاتا ہے۔ پھر وہ مہلک قسم کے کبائر کی وادی میں قدم رکھتا ہے اور آخر کار وہ منزل بھی آ جاتی ہے کہ وہ قتل انبیاءؑ جیسے گناہوں پر بھی کمر باندھ لیتا ہے اور اللہ کا انکار کرنے لگ جاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (البقرہ: آیت ۶۱)

''وہ انبیاءؑ کو ناحق قتل کرتے تھے کیونکہ وہ سرکش تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے''۔

عزیز دوستو!

اب میں ''وعظ'' کی چند عبارات کہنا چاہتا ہوں اور اس سے خود اپنے اور آپ کے دلوں کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔ ہمارا آج کا وعظ اللہ کے کلام اور امامؑ اول اور امام آخرؑ حضرت صاحب الزمانؑ کے کلمات پر مشتمل ہے۔

تم نہ تو خدا کے حکم کو سمجھتے ہو! اور نہ اس کے اولیاء کی باتیں سنتے ہو۔ حکمت بالکل کامل ہے لیکن ایمان نہ رکھنے والوں کو ڈرانے والی باتیں اور آیات فائدہ نہیں پہنچاتیں۔ یہ صاحب الامرؑ کا موعظہ ہے:

''تم نہ تو جلالِ الٰہی کی تعظیم کرتے ہو اور نہ ہی خدا کی شان بیان کرتے ہو اور نہ ہی عظمت خداوندی کے سامنے سجدہ کرتے ہو اور نہ ہی اللہ کے حقوق کو پورا کرتے ہو اور نہ ہی خدا کے رعب سے بچتے ہو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اس سے غافل نہیں ہے''۔

ہمارے لیے یہ آیات کافی ہیں:

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ ......
وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿٨٨﴾ (سورۂ ص: ٦٧-٦٨ و ٨٨)

"آپ کہہ دیں کہ یہ عظیم خبر ہے۔تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو...... کچھ عرصہ بعد تم اس کی خبر کو جان لو گے"۔

اس وقت تم اپنی بھلائی کے حصّہ سے غافل ہو۔عنقریب تمہیں اس کا ادراک ہو جائے گا۔

لوگو! کچھ تو غور کرو تم کہاں جا رہے ہو؟ تمہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے؟ تمہیں کہاں پھیرا جا رہا ہے؟

تمھارا رُخ کس طرف ہے؟ اور تم کون سا منہ لے کر خدا کے سامنے جاؤ گے؟

تم کون سے قدموں کے ساتھ جا کر رُکو گے؟

تم لوگ کس زبان سے معذرت کرو گے؟

ہمیں دَرپیش سنگین منازل

میں ایامِ الٰہیہ اور جلال پروردگار کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں، جس کا ہمیں آگے چل کر سامنا کرنا ہوگا۔

میں ان باتوں کو اجمال سے بیان کروں یا تفصیل سے؟

ہمارے سامنے منتقل ہونے کے بہت سے مقامات ہیں۔

ہمارے آگے ہولناک منازل ہیں۔

ہمارے سامنے خروج ہے۔

ہمارے سامنے وقوف کی منزل ہے۔

بہت سی معنوی آ گیں ہمارے آگے ہیں۔

بہت سی ظاہری آ گیں ہمارے سامنے ہیں۔

ہمارے سامنے قید خانے ہیں۔

ہمارے سامنے تاریکیاں ہیں۔

ہمارے سامنے مواخذہ کی منزل ہے۔

کیا ہم نے ان چیزوں کی تیاری کر لی ہے؟

کیا ان باتوں سے تمہیں تعجب ہے اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟

یہ سب اجمال تھا۔ میں اس کی کچھ تفصیل بیان کرنا چاہتا ہوں۔

منتقل ہونے کی پہلی منزل

آپ کی موت کے وقت آپ کی حالت متغیر ہو جاتی ہے اور موت کا دن ایامِ آخرت کا پہلا دن ہے اور ایامِ دنیا کا آخری دن ہے۔ اس دن مجھے تین خوفناک باتوں کا سامنا کرنا ہے، جن سے پتہ پانی پانی ہو جاتا ہے۔

اے اہلِ ایمان بھائیو!

خدا کرے کہ اس دن ہمارا ایمان سلامت ہو ایسا نہ ہو کہ آخرت کے پہلے دن ایمان سے خالی ہوں اور ہمارے پاس نجات کا کوئی حیلہ وسیلہ تک موجود نہ ہو۔

اس دن کا دوسرا خوف یہ ہے کہ خدا کرے کہ موت کے دن مجھ پر گناہوں کا بوجھ نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بوجھ اتنا سنگین ہو جو میری ہمت سے زیادہ ہو۔

تیسرا خوف یہ ہے کہ نجانے اس دن میرے دل کی کیفیت کیا ہو گی؟ کیا اس دن میرے دل پر دنیا کی محبت غالب ہو گی یا خدا، رسولؐ اور ہادیان دینؑ کی محبت غالب ہو گی۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ
وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (التوبہ: آیت ۲۴)

''آپؐ کہہ دیں کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارے عزیز و اقارب اور تمھارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمھارے وہ کاروبار جن کے ماند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور تمھارے جہاد سے عزیز ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمھارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا''۔

اس آیت کے بعد اپنے دل کا جائزہ لیں کہ کیا اللہ کی محبت دنیا کے تمام رشتوں اور مفادات پر غالب ہے تو آپ کو مبارک ہو اور اگر اس کے برعکس دنیا کی محبت غالب ہے تو پھر موت کے وقت آپ کا مواخذہ کیا جائے گا اور آپ کو بدترین مقام پر منتقل کر دیا جائے گا اور آپ کو دشمنان خدا کی صف میں شامل کر لیا جائے گا۔

میرے سامعین!

کیا آپ ان حالات سے ڈرتے ہیں؟

ان اجمالات کی تفصیل میں قبر میں نکیرین کا آنا اور ان کا ہم سے سوالات کرنا۔

خدا جانے اس وقت ہماری حالت کیا ہو گی؟ اور وہ کون سی شکل وصورت لے کر ہمارے پاس آئیں گے۔

خدا جانے وہ ہم سے کیا کچھ پوچھیں گے؟

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ رسولِ اکرمؐ ایک قریب المرگ شخص کے پاس تشریف فرما تھے۔ جیسے ہی اس پر نزع کا عالم طاری ہوا تو اس کی آنکھیں گردش کرنے لگ

گئیں اور وہ مضطرب ہو گیا اور اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مجھے دو سیاہ فام دکھائی دے رہے ہیں جو کہ میری طرف بڑھے چلے آتے ہیں۔

سامعین!

کیا آپ کو انجام کا خوف نہیں ہے؟ مجھے معلوم نہیں ہے کہ انجام کیا ہو گا۔ کچھ خوش نصیبوں سے کہا جائے گا:

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حم السجدہ: آیت ۳۰)

"کسی طرح کا خوف اور غم نہ کرو تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا"۔

نہیں معلوم کہ ان خوش نصیبوں میں ہم بھی شامل ہوں گے یا ہم ان بدبختوں میں شامل ہوں گے جن سے یہ کہا جائے گا:

لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ (سورۂ فرقان: آیت ۲۲)

"اس دن مجرمین کے لیے کوئی بشارت نہ ہو گی"۔

جس منزل میں ہم نے قدم رکھنا ہے اس کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ وہاں ہمارا خیر مقدم کیا جائے گا یا نہیں؟

جو مطمئن ہے تو اسے غمگین نہیں ہونا چاہیے اور اگر دل میں ذرہ سی جگہ ایسی باقی ہے جس پر پردہ نہیں ہے تو پھر ان کلمات میں سے اس کے لیے ایک جملہ ہی کافی ہے۔

ہمارے پاس کوئی اُمید نہیں ہے البتہ امیرالمومنینؑ سے یہ ضرور کہیں گے کہ مولا! ہمارے ہاتھ خالی ہیں ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے البتہ ہماری اُمیدیں زیادہ ہیں۔ ہم اپنے دلوں میں آپؑ کی محبت کا تحفہ لائے ہیں۔

اُمید ہے کہ یہ محبت ہر منزل میں ہماری رفیق اور حلیف بن جائے گی اور

انتقال کے جملہ مراحل میں نجات کا سبب بنے گی۔

ذکرِ مصائب: شریکۃ الحسین علیہا السلام کی شراکت

جن مصائب کا ہمیں سامنا ہے ان سے بچنے کا ہمارے پاس ایک اور وسیلہ بھی ہے اور یہ وسیلہ اس مظلوم کی محبت ہے جس پر دنیا کے تمام مصائب و آلام ٹوٹے تھے۔ اس سے میری مراد حضرت ابوعبداللہ الحسینؑ ہیں۔

دنیاوی مصائب کا تصور کریں یہ تمام مصائب سیّدالشہداءؑ پر عاشورا کے دن وارد ہوئے تھے۔

اگر مصائب کے مرکز کی محبت ہماری دلوں میں ہوئی تو ہمیں مصائب سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

آج کا دن ایک اور شخصیت کے مصائب کا دن ہے اور یہ وہ شخصیت ہے جس نے امام مظلومؑ کے ساتھ جملہ مصائب برداشت کیے تھے۔ یہ شخصیت ماں باپ کے لحاظ سے حسینؑ کی کفو ہے۔ یہ وہ شخصیت ہے جو مصائب میں سیّدالشہداءؑ کی شریک تھیں۔

جانتے ہیں کہ "شریکۃ الحسینؑ" کون ہیں؟

وہ شہزادی زینب الکبریٰؑ دختر امیرالمومنینؑ ہیں۔

آپ حضرات جانتے ہیں کہ مَیں نے سیّدہ سلام اللہ علیہا کو مصائب میں "شریک عظیم" کیوں کہا ہے؟

محترم سامعین! یہ سیّدہؑ تمام مصائب میں کربلا تک امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شریک رہی۔ پھر کربلا سے لے کر شام تک امام سجادؑ کے ساتھ مصائب میں شریک رہی۔ بی بیؑ کے مصائب کا اندازہ کریں۔

سیّدالشہداءؑ نے مدینہ سے سفر کیا تو علیؑ کی شاہزادی نے بھی سفر کیا۔ امامؑ نے

ہجرت کی تو فاتحہ شامؑ نے بھی ہجرت کی۔

راستے میں جن منازل کا امامؑ نے سفر کیا تو سیّدہؑ ہر منزل پر امامؑ کی شریک تھیں۔

حسینؑ میدان میں گئے اور جہاد کیا تو بی بیؑ کی جنگ کے دو میدان تھے۔ جہاں آپؑ نے جنگ کی تھی حسینؑ نے جہاد کیا تو سیّدہؑ نے بھی جہاد کیا۔

حسینؑ مظلوم کی زیارت ہے تو شاہزادی کی بھی زیارت ہے۔

سیّدالشہداءؑ نے وداع کیا تو بی بیؑ نے بھی وداع کیا۔

سیّدالشہداءؑ نے مناسکِ حج ادا کیے تو اس مظلومہؑ نے بھی مناسک حج ادا کیے۔

سیّدالشہداءؑ نے احرام باندھا تو حضرت عالیہؑ نے بھی احرام باندھا۔

امامؑ نے طواف کیا تو سیّدہؑ نے بھی طواف کیا۔

امامؑ نے ''سعی'' کی تو اس مظلومہؑ نے بھی ''سعی'' کی۔

ہمارے بیان کردہ تمام فقرات میں سے ہر ایک کی تفصیل ہے۔ اسی لیے میں یہ کہتا ہوں کہ ابھی امامؑ کے مصائب پورے بیان ہی نہیں کیے گئے۔

کچھ لوگ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ مصائب کا ذکر مکمل ہو گیا اس کے بعد جو کچھ کہا جائے گا وہ جھوٹ ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ ابھی تک تو مصائب پورے بیان ہی نہیں ہوئے، اس کے لیے جھوٹ کی کیا ضرورت ہے؟

مَیں نے جو فقرات کہے ہیں، ان میں سے ہر فقرہ کی وضاحت کے لیے کم از کم دس مجالس کی ضرورت ہے۔ میری یہ بات واقعیت کے عین مطابق ہے۔

عالم غیر معلّمہ جنابِ زینبِ کبریٰ علیہا السلام کا جہاد

ایام کی مناسبت کے پیشِ نظر سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا کے اعمال میں سے صرف

ایک عمل بیان کرنا چاہتا ہوں۔

سنیئے! اس مظلومہؑ نے بھی سیّدالشہداءؑ کی طرح جہاد کیا تھا۔

سیّدالشہداءؑ میدانِ جنگ میں گھوڑے پر سوار ہوکر اور ہاتھ میں تلوار لے کر جہاد کے لیے آئے تھے اور آپؑ نے ان حملوں میں اپنی پوری شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا۔

ادھر شاہزادی زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے بھی جہاد کیا لیکن بھائی اور بہن کے جہاد کے میدان اور جہاد کے انداز میں بڑا فرق تھا۔

سیّدہؑ کی بیٹیؑ نے ابن زیاد (لعین) کی مجلس میں جہاد کیا تھا۔

آپؑ نے یہ جہاد اسیری کی حالت میں کیا۔

بنتِ حیدرؑ نے ابن زیاد (لعین) کے سر پر حملہ کیا۔ بی بیؑ کا یہ حملہ تلوار کے حملہ سے بھی زیادہ سخت تھا۔

بی بیؑ پورے قدر و جلال کی مالکہ تھیں۔

امام حسین علیہ السلام پوری عزت کے ساتھ میدان میں آئے تھے جبکہ بنت زہراؑ بوسیّدہ چادر میں لعین کے دربار میں آئی تھیں۔ یہ بنتِ زہراؑ کے جہاد کی ایک نوعیت تھی۔ سیّدہؑ نے ایک اور جہاد بھی کیا جو کہ ہر جہاد سے بلند و بالا ہے۔

سیّدہؑ نے نو اماموںؑ کی حفاظت کی۔ آپؑ نے بظاہر امام علی زین العابدین علیہ السلام کی حفاظت کی تھی اور ان کی حفاظت باقی آٹھ آئمہؑ کی حفاظت کا ذریعہ بن گئی۔ اس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ بی بیؑ نے نو آئمہؑ کی حفاظت کی تھی۔

آپؑ نے پہلی بار امام سجاد علیہ السلام کی زندگی کی حفاظت اس وقت کی جب امام سجاد علیہ السلام پر مقتل میں احتضار کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ اگر اس عالم میں سیّدہؑ تسلی نہ دیتیں تو امام سجاد علیہ السلام کی روح پرواز کر جاتی۔

بی بیؑ نے امام سجاد کے سامنے رسولِ خدا کی یہ حدیث بیان کی کہ کچھ لوگ

ان متفرق اعضاء کو جمع کریں گے اور ان کی تدفین کریں گے اور قبر حسینؑ کا نشان قائم کریں گے جو کہ قیامت تک قائم رہے گا اور روز و شب کے گزرنے سے اس کا نشان ختم نہ ہوگا۔

بی بیؑ کا یہ کارنامہ بلندترین جہاد ہے۔ سیّدہؑ نے اسیری کے عالم میں امامِ زمان علیہ السلام کو بچا لیا تھا۔

دوسری بار سیّدہؑ نے امام سجاد علیہ السلام کو ابن زیاد (لعین) کے دربار میں قتل ہونے سے بچایا تھا۔

معزز سامعین!

ملاحظہ فرمائیں کہ بنتِ حیدرؑ نے کس استقلال کے ساتھ امام زمانہ علیہ السلام کو لعین کے شر سے بچایا تھا۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ ابن زیاد (لعین) نے امام سجاد علیہ السلام سے کلام کیا۔ اس نے پوچھا کہ یہ قیدی کون ہے؟

اسے بتایا گیا کہ یہ علیؑ بن الحسینؑ ہے۔

ابن زیاد (لعین) نے کہا: مَیں نے تو سنا ہے کہ علیؑ بن الحسینؑ قتل ہو گیا ہے۔

اس وقت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: میرا ایک بھائی تھا، جسے علیؑ بن الحسینؑ کہا جاتا تھا جسے لوگوں نے قتل کیا ہے۔

ابن زیاد (لعین) نے کہا: نہیں! لوگوں نے نہیں بلکہ اللہ نے اسے قتل کیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر: ۴۲)

''لیکن میرے بھائی کو لوگوں نے قتل کیا ہے''۔

لعین نے کہا: کیا تو میری بات کا جواب دینے کی جسارت کر رہا ہے؟ پھر اس

نے اپنے درباریوں سے کہا: اسے پکڑو اور قتل کردو۔

اب دیکھیں شاہزادی زینب عالیہؑ نے امامؑ بھتیجے کی کیسے جان بچائی؟

جلاد آگے بڑھا اور سیدالساجدین علیہ السلام کو پکڑا اور تلوار نکالی۔ اس وقت شہزادی زینبِ عالیہؑ آگے بڑھیں اور امامؑ کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا: میں اس سے ہرگز جدا نہیں ہوں گی۔

ابن زیاد (لعین) کی حالت بدل گئی، اس نے اپنی تمام تر شقاوت اور سختی کے باوجود کہا: ''سبحان اللہ! رشتہ کتنا پیارا ہے، اسے چھوڑ دو۔

یہ امام سجاد علیہ السلام کو ہی بچانے کی کوشش نہ تھی بلکہ نو آئمہؑ کو بچانے کی کوشش تھی۔ ہم مناسب موقع پر اس کا ذکر کریں گے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

چودہویں مجلس

اربعین (چہلم) کا خطاب

عزیزانِ گرامی قدر!

مولا امام حسن عسکری علیہ السلام کا فرمان ہے: ”مومن کی پانچ علامات ہیں:

(۱) اکیاون رکعت نماز پڑھنا۔

(۲) چہلم کے دن زیارت حسینؑ کا شرف حاصل کرنا۔

(۳) داہنے ہاتھ میں انگشتری پہننا۔

(۴) خاک پر سجدہ کرنا۔

(۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھنا“۔

اگرچہ دنیا میں مومنین کی تعداد کم ہے کیونکہ لوگوں کی اکثریت خواہشات نفسانی کی پیروکار ہے لیکن یہ قلیل تعداد دوسروں کے لیے فائدہ مند ہے اور یہ قلیل تعداد دوسرے لوگوں کی عیادت بھی کرتی ہے، ان کی ملاقات کے لیے بھی جاتی ہے اور ان کی مدد بھی کرتی ہے۔

برادرانِ ایمانی!

مومن کا وجود کافر کے لیے بھی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر کوئی کافر کسی چیز میں مومن کی مدد کرتا ہے تو قیامت کے دن اس پر دوزخ کی آگ کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی عیادت کرے تو اس کی قبر میں ستر ہزار

فرشتے روزانہ آ کر اس کی احوال پُرسی کریں گے۔

اور اگر کوئی مومن کسی مومن کی تدفین و تکفین میں مدد کرتا ہے اور اس کے جنازہ کی مشایعت کرتا ہے تو مرنے والے مومن کو قبر میں قدرت کی طرف سے پہلی صدا یہ سنائی دیتی ہے:

''میں تجھ پر اپنی طرف سے پہلی رحمت یہ کر رہا ہوں کہ تیری وجہ سے تیرے جنازے کی مشایعت کرنے والوں کے گناہ معاف کر رہا ہوں''۔

اب آیئے! ایک مومن کی تجہیز و تکفین کریں وہ صرف مومن ہی نہیں بلکہ وہ رئیس المومنین اور رأس المومنینؑ ہے اور وہ حضرت ابوعبداللہ الحسینؑ ہیں۔

لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ تین دن تک یہ عظیم شخصیت دفن نہیں ہوئی تھی جبکہ میں یہ کہتا ہوں کہ آپؑ کی تدفین پورے چالیس دن رات تک نہیں ہوئی تھی کیونکہ بدن کا اہم حصّہ تو سر ہوتا ہے اور جب تک سر دفن نہ ہو تب تک تجہیز کامل نہیں ہوتی۔ کچھ روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ کچھ شیعوں نے سر اطہرؑ کو چھپا لیا تھا اور وہ اسے امیر المومنینؑ کے پاس لائے تھے اور اسے حضرت کے پہلو میں دفن کیا تھا۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرتؑ کے سر اطہر کو شام میں دفن کیا گیا۔ کچھ روایات بیان کرتی ہیں کہ آپؑ کے سر مبارک کو مصر میں دفن کیا گیا۔ وہاں حضرتؑ کے سر کا روضہ بھی موجود ہے۔

عزادارو!

سرِ اطہرؑ کو اٹھانے پر مامور ایک شخص کا بیان ہے کہ حضرتؑ کا سرِ اطہر نوکِ نیزہ پر تھا کہ اچانک رسولِ اکرمؐ کا جمال مبارک ظاہر ہوا۔ امامؑ کا سرِ اطہر نوک نیزہ سے جھکا اور رسولِؐ خدا کی آغوش میں چلا گیا۔ پھر غائب ہو گیا۔

روایات کچھ بھی ہوں لیکن چہلم کا دن زیارت کے لیے مخصوص ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن اہل بیتؑ کا قافلہ کربلا آیا تھا یا اس دن مظلومؑ کا پہلا زائر جابر بن عبداللہ حضرتؑ کی زیارت کو آیا تھا یا اس دن سرِ مبارکؑ دفن ہوا تھا۔

دوستو!

اس مظلوم کی تجہیز و تکفین ہم نے بھی کرنی ہے۔ اس کے لیے تابوت کا ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ امام حسینؑ کو پہلے بھی بہت سے تابوت مل چکے تھے۔ سونے کے طشت کا تابوت، نوک نیزہ کا تابوت، منبر کے نچلے زینہ کا تابوت۔

کفن کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سرِ اطہر خدائی نور سے ڈھکا ہوا تھا اور اس کی کرنیں آسمان تک بلند تھیں۔ ایک شامی کی روایت ہے کہ میں حجرہ میں بیٹھا تھا کہ مجھے روشن نور دکھائی دیا۔ مَیں نے دیکھا تو وہ حسینؑ بن علیؑ کا سر تھا۔

عزادارو!

راہب کا بیان ہے کہ مَیں نے قافلہ کے درمیان نور دیکھا اور میں بڑی رقم دے کر ایک رات کے لیے وہ سر اپنے گھر لے آیا۔ جی ہاں! وہ کفن کا بھی محتاج نہیں ہے اور اسے حنوط کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ اس راہب نے کستوری اور کافور سے اسے حنوط کیا تھا۔ جو چیز باقی رہ گئی ہے، وہ اس کا غسل ہے۔

کیا ہم پانی سے انھیں غسل دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ میں مظلومؑ کی کس مصیبت کو بیان کروں۔ حضرتؑ کا بدن اگرچہ تین دن تک صحرا میں بے گور و کفن پڑا رہا لیکن میرا خیال یہ ہے کہ سر کی مصیبت اس سے کہیں زیادہ دردناک ہے۔

مَیں کون سا درد بیان کروں!

کیا میں جسم سے سر کٹنے کا واقعہ بیان کروں یا حضرتؑ کے زخموں کی تعداد

بیان کروں یا آپؑ کے لباس اور عمامہ کے لٹنے کا ذکر کروں۔

یہ تو سب ظاہری مصائب ہیں جبکہ اس سر کے لیے باطنی مصیبت بھی ہے اور وہ مصیبت یہ ہے کہ قاتل نے آپؑ کا سر جدا کر کے ابن سعد (لعین) کو ہدیہ کیا اور ابن سعد نے ابن زیاد (لعین) کو ہدیہ کیا۔ پھر وہاں سے اس سر کو شام لے جایا گیا۔

اس سر کی ظاہری اور باطنی مصیبت سنیں۔

کیا میں اس حالت کو بیان کروں جب آپؑ کا سرِ اطہر ابن زیاد (لعین) کے سامنے پیش کیا گیا۔ یا یہ بیان کروں کہ اس لعین کے ہاتھ میں عصا تھا اور وہ لعین اس سے آپؑ کے دندان مبارک کی بے ادبی کرر ہا تھا۔

اس سے بڑا مصائب اور کیا ہے کہ ظالم حضرتؑ کے سر کو سامنے رکھ کر ہنستا تھا۔

ظاہری تدفین کے بعد امامؑ ہر مومن کے دل میں دفن ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آبَائِهِ وَاَبْنَآئِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَرَحْمَةُ اللهِ